

آزمائشی اشاعت



گلزارِ اُردو

گیارہویں جماعت کے لیے

اُردو نصاب (لازمی) ۲۰۱۹ء کے مطابق

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

ناشر:

قاضی ایسوسی ایٹس۔ کراچی

جملہ حقوق بہ حق سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ محفوظ ہیں
تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

منظور شدہ: نظامتِ نصاب، جائزہ و تحقیق سندھ، جام شورو اور محکمہ تعلیم و خواندگی برائے اسکول سندھ۔
جائزہ شدہ: صوبائی کمیٹی برائے جائزہ درسی کتب و نصاب سندھ۔
مراسلہ نمبر: ایس او (سی) ایس ای ایل ڈی / ایس ٹی بی بی-۱۸/۲۰۲۱ بہ تاریخ ۲۴ فروری ۲۰۲۱

نگرانِ اعلیٰ

پرویز احمد بلوچ
چیرمین سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

نگراں

ناہید اختر

مصنفین / مؤلفین

♦ محمد ناظم علی خان ماتلوی ♦ پروفیسر ڈاکٹر عتیق احمد جیلانی ♦ ڈاکٹر شاہ انجم ♦ ڈاکٹر محمد سعید

صوبائی جائزہ کمیٹی

♦ سید مسرت حسین رضوی ♦ محمد وسیم مغل
♦ عطاء اللہ خان ♦ مشتاق احمد انصاری

نظر ثانی کمیٹی

♦ پروفیسر محمد حسن شیخ ♦ منور عباس ♦ ڈاکٹر بلقیس گل

مدیر

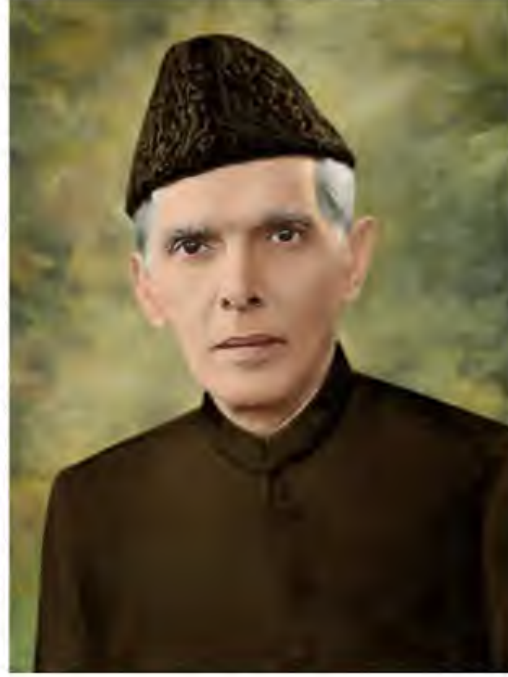
ڈاکٹر شذرہ حسین شر

پروف خوانی

ڈاکٹر ثار احمد

مطبع: قاضی پرنٹنگ پریس، کراچی

قائد اعظمؒ محمد علی جناح نے فرمایا:



”آپ تعلیم پر پورا دھیان دیں۔ اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں۔ آپ کی تعلیم کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ آپ دورِ حاضر کے حالات کا مطالعہ کریں۔ یہ دیکھیں کہ آپ کے گرد دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ہماری زندگی کے لیے تعلیم موت اور زندگی کا مسئلہ ہے۔“

(۲۶ - ستمبر ۱۹۳۷ء)

”ہم جتنی زیادہ تکلیفیں سہنا اور قربانیاں دینا سیکھیں گے، اتنی ہی زیادہ پاکیزہ، خالص اور مضبوط قوم کی حیثیت سے ابھریں گے جیسے سونا آگ میں تپ کر کندن بن جاتا ہے۔“

(پیغام عیدالاضحیٰ ۲۳ - اکتوبر ۱۹۳۷ء)

اظہارِ تشکر

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، ورثائے مصنفین
و شعراے کرام اور مختلف اداروں کا شکر گزار
ہے کہ انہوں نے اس مجموعے میں طبع کردہ
افسانوں، مضامین اور خطوط وغیرہ کی
اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

برائے اساتذہ (پڑھانے سے پہلے اسے ضرور پڑھیے)

درسی کتاب ”گزارِ اردو“ برائے گیارہویں جماعت میں تدریس زبان کے تین پہلو نمایاں ہیں۔

۱۔ تدریس نثر ۲۔ تدریس نظم ۳۔ تدریس قواعد

ان تین پہلوؤں کے حوالے سے ذیل میں ہدایات برائے اساتذہ پیش کی جارہی ہیں تاکہ تدریسی و آموزشی عمل کو دل چسپ، مؤثر اور نتیجہ خیز بنایا جاسکے۔

۱۔ تدریس نثر: نثری اسباق کی تدریس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ میں توجہ سے سن کر سمجھنے، درست تلفظ اور لب و لہجہ سے بول کر اپنے خیالات و احساسات کا اظہار کرنے، مجوزہ مواد تفہیم عبارت کی تدابیر اختیار کرتے ہوئے سمجھ کر پڑھنے اور ذخیرہ الفاظ کا موزوں اور بر محل استعمال کرتے ہوئے لکھ کر اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کی صلاحیتیں پیدا کی جاسکیں۔ بنیادی مہارتوں کے علاوہ نصابِ اردو میں مزید پانچ مہارت درج ذیل ہیں جن میں زبان شناسی (قواعد)، تقریر، انشا پردازی (تخلیقی تحریر) مہارت حیات اور تفقید و استحسان شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ طلبہ میں تخلیقی صلاحیتوں، تفقیدی فکر اور جمہوری رویوں کا فروغ بھی جدید تعلیم و تدریس کا لازمی تقاضا ہے۔

ان مقاصد کے تحت نثری اسباق کی تدریس میں درج ذیل اقدامات کیجیے۔

سب سے پہلے ہر سبق کے آغاز میں دیے گئے حاصلاتِ تعلیم پر غور کیجیے کہ سبق کے تدریسی مقاصد کیا ہیں اور وہ کون سی مہارتیں اور اہلیتیں ہیں جو طلبہ سبق کی آموزش کے ذریعے حاصل کریں گے۔

۱-۱۔ سابقہ واقفیت فعال کرنا (ACTIVATING BACKGROUND KNOWLEDGE):

سبق پڑھانے سے قبل طلبہ کو نئی معلومات، تصورات اور مہارات سکھانے کے لیے آمادہ کرنا ایک ضروری مرحلہ ہے اس مقصد کے لیے دل چسپ اور ترغیبی تکنیکیں اور تدابیر اختیار کیجیے مثلاً:

سبق کے عنوان / مواد سے متعلق:

- سوال و جواب کرنا
- تصاویر دکھانا
- مختصر کہانی / واقعہ یا خبر سننا
- ذہنی تحریک (BRAINSTORMING) پیدا کرنا (سبق کا عنوان بورڈ پر ایک دائرے میں لکھیے اور عنوان پر طلبہ کی سابقہ معلومات دریافت کر کے دائرے کے اطراف لکھتے جائیے)
- یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ذہنی آمادگی کی اس سرگرمی کا دورانیہ مختصر ہونا چاہیے تاکہ سبق کی معلومات اور اس کی تفہیم و وضاحت کو زیادہ وقت دیا جاسکے۔

۱-۲۔ نئی معلومات کی تشکیل (CONSTRUCTIVE NEW KNOWLEDGE):

سبق کا یہ مرحلہ مقررہ دورانیے (PERIOD) میں سب سے زیادہ وقت کا تقاضی ہوتا ہے کیوں کہ اس میں اساتذہ و طلبہ کی زیادہ سرگرمیاں ہوتی ہیں اس مرحلے پر درج ذیل اقدامات کیجیے:

● مصنف کا تعارف : ہر سبق کے آغاز میں متعلقہ مصنف کا مختصر تعارف نکات کی صورت میں دیا گیا ہے ان نکات کو مختصراً بیان کیجیے۔

● سبق کا تعارف : سبق میں شامل صنفِ ادب کا مختصر تعارف کرائیے مثلاً مضمون، افسانہ، ناول، سفرنامہ وغیرہ۔

● بلند خوانی و خاموش خوانی : چوں کہ یہ اعلیٰ ثانوی سطح ہے لہذا اس مرحلے میں بلند خوانی سے زیادہ خاموش خوانی کے ذریعے تفہیم عبارت پر زور دینا چاہیے۔ فعال آموزشی تدابیر (ACTIVE LEARNING STRATEGIES) اختیار کرتے ہوئے طلبہ کو گروہوں (GROUP) یا جوڑیوں (PAIR) میں تقسیم کیجیے اور سبق کے پیراگراف کی تعداد کی مناسبت سے ایک ایک یا دو دو پیراگراف طلبہ کے ہر گروپ یا جوڑے کو تفویض کیجیے کہ انھیں پڑھیں، سمجھیں اور اہم نکات نوٹ کرتے جائیں۔ ساتھ ہی پیراگراف سے متعلق مشقی سوالات بھی بتا دیجیے کہ پڑھ کر ان سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ طلبہ کو یہ بھی بتا دیجیے کہ اُن کو دیے گئے پیراگراف کے نئے الفاظ کے معنی کتاب کے آخر میں دی گئی فرہنگ میں موجود ہیں۔ یہاں اس بات کو یقینی بنائیے کہ گروہ یا جوڑی میں شامل ہر طالب علم / طالبہ تفہیمی و آموزشی عمل میں فعالیت سے شریک ہے اس مقصد کے لیے کمرہ جماعت میں ہر گروہ کے پاس جائے اور مشاہدہ کیجیے۔ اس طلبہ مرکوز طریقے (STUDENT-CENTERED APPROACH) میں آپ کا کردار آموزشی سہولیات پہنچانے والے (FACILITATOR) کا ہے۔ سبق کے نئے الفاظ طلبہ کے ذخیرہ الفاظ میں محفوظ بنانے کے لیے محض ان کی معنی بتا دینا کافی نہیں بلکہ جملوں میں ان کا استعمال بتانا بھی ضروری ہے تاکہ طلبہ یہ الفاظ اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔

● طلبہ کو دیے گئے مقررہ وقت کے بعد ہر گروہ یا جوڑے سے پیش کش (PRESENTATION) کرائیے ہر گروہ پیش کش کے دوران دوسرے گروہ کو متوجہ رہنے کی ہدایت کیجیے۔ پیش کش کے بعد مؤثر، تعمیری اور بروقت بازرسی (FEEDBACK) فراہم کیجیے۔

۱-۱ خلاصہ سبق (SUM-UP):

تمام سرگرمیوں کے اختتام پر سبق کے اہم نکات کا خلاصہ پیش کیجیے تاکہ سبق کا اعادہ ہو سکے۔

۱-۲ جانچ (ASSESSMENT):

● طلبہ کے حاصلات کی جانچ دو طریقوں سے ہو سکتی ہے اول دورانِ تدریس جانچ (FORMATIVE ASSESSMENT) جو پڑھانے کے دوران کی جاسکتی ہے طلبہ کے کیے گئے کاموں سے اُن کی تفہیم و حاصلات کا علم ہو جاتا ہے کہ وہ تصورات و معلومات سمجھ رہے ہیں یا نہیں۔

● دوسرا طریقہ بعد از تدریس جانچ / کلی جانچ (SUMMATIVE ASSESSMENT) کا ہے جس میں سبق کے اختتام پر مختلف نوعیت کے مشقی سوالات دیجیے۔

۱-۳ جانچ (ASSIGNMENT):

● سبق کے تصورات و معلومات پختہ کرنے اور تحریری صلاحیت میں فروغ کے لیے تفویض کار (ASSIGNMENT) دیجیے بعد ازاں اس کی جانچ کر کے بروقت بازرسی (FEEDBACK) بھی فراہم کیجیے۔

۱- تدریس نظم : تدریس نظم میں بھی تدریس نثر میں متذکرہ اقدامات ہی اختیار کیجیے تاہم نظم کی تدریس کا مقصد الفاظ و معلومات فراہم کرنے سے زیادہ طلبہ کے ذوقِ جمال اور قوتِ متخیلہ کا فروغ ہے۔ شعر خوانی کا شوق پیدا کرنا

اور الفاظ کے وزن و آہنگ کا احساس دلانا تدریس نظم کے خاص اہداف ہیں۔ تدریس نظم کے ذیل میں بیان کردہ اقدامات ذہن میں رکھتے ہوئے تدریس نظم کے لیے درج اقدامات کیجیے:

- شاعر کا تعارف
- صنفِ سخن کا تعارف
- سابقہ معلومات فعال کرنا
- نئی معلومات کی تشکیل: نئے الفاظ و تراکیب کے معنی پہلے سے تیار کردہ چارٹ بورڈ پر تحریر کر دیجیے۔ اس مرحلے میں غزل، نظم و غیرہ کی مثالی بلند خوانی میں درست تلفظ، لے، آہنگ اور تاثر کا خاص خیال رکھیے۔ طلبہ سے بھی بلند خوانی کرائیے۔ دورانِ بلند خوانی تلفظ کی غلط ادائی پر نہ روکیے بلکہ اغلاط بورڈ پر تحریر کرتے جائیے۔ بعد از بلند خوانی الفاظ کا درست تلفظ مع معنی بتائیے۔
- اشعار کی تفہیم کے لیے پہلے طلبہ کو موقع فراہم کیجیے کہ اشعار سمجھیں بعد ازاں اصلاح کرتے ہوئے اشعار کی تشریح و توضیح کیجیے۔ اسی طرح مشتقی سوالات بھی پہلے طلبہ سے کروائیے اور پھر ان کے کام کی جانچ کرتے ہوئے موثر، تعمیری اور بروقت بازری (FEEDBACK) فراہم کیجیے۔

سہ۔ تدریس قواعد/صنائع بدائع: قواعد کی تدریس کے دو طریقے ہیں۔

(الف) استقرائی (DEDUCTIVE METHOD)

(ب) استقرائی (INDUCTIVE METHOD)

استقرائی طریقے میں کسی بھی قواعدی پہلو کی تعریف پہلے بتائی جاتی ہے جب کہ مثالیں بعد میں دی جاتی ہیں مثلاً ”صنعتِ تکرار“ سکھانے کے لیے پہلے اس کی تعریف بتائی جائے گی کہ شعر میں کسی لفظ کا ایک سے زائد بار آنا ”صنعتِ تکرار“ کہلاتا ہے مثلاً:

پتا پتا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اس طریقے میں طلبہ تعریفیں تو یاد کر لیتے ہیں تاہم تفہیم کا پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔ استقرائی طریقے میں استقرائی طریقے کے برعکس پہلے کسی قواعدی پہلو کی مثالیں دی جاتی ہیں بعد میں تعریف بتائی جاتی ہے مثلاً صنعتِ تضاد سکھانے کے لیے پہلے پڑھیے اور پڑھوائیے:

ہوئے نامور بے نشان کیسے کیسے

زمین کھاگئی آسمان کیسے کیسے

پھر اس شعر میں متضاد الفاظ زمین اور آسمان کی جانب توجہ دلائیے اور بتائیے کہ جب کسی شعر میں ایسے دو الفاظ استعمال کیے گئے ہوں جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے الٹ ہوں تو اسے ”صنعتِ تضاد“ کہیں گے۔



فہرست

حصہ نثر

صفحہ نمبر	مصنفین	مضامین	سبق
۱۰	سر سید احمد خان	قومی اتفاق	۱
۱۶	خواجہ الطاف حسین حالی	زبان گویا	۲
۲۰	خواجہ حسن نظامی	فاتے میں روزہ	۳
۲۶	آفتاب حسن	پژولیم کی کہانی	۴
۳۲	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں	۵
۳۷	ڈاکٹر الیاس عشقی	سندھی شاعری کے تراجم	۶
افسانے			
۴۳	منشی پریم چند	زیور کا ڈنبا	۷
۵۴	احمد ندیم قاسمی	بابا نور	۸
۶۰	غلام ربانی آگرو/ترجمہ: ناہید اختر سومرو	آپ حیات	۹
ڈرامے			
۶۸	آغا حشر کاشمیری	میدان جنگ	۱۰
۷۴	امتیاز علی تاج	بیگم کی بی	۱۱
سفر نامے			
۸۵	مستنصر حسین تارڑ	تھر کی نادیہ کمانچی	۱۲
۹۰	قمر علی عباسی	ملکہ بلقیس کا محل	۱۳
نثری مزاح			
۹۶	شوکت تھانوی	خواہ مخواہ کی لڑائی	۱۴
۱۰۱	شفیق الرحمن	مجبوریاں	۱۵
۱۰۵	ابن انشا	ایک انار و صد بیمار	۱۶
مکتوبات			
۱۰۹	مرزا اسد اللہ خاں غالب	بہ نام میر مہدی مجروح	۱۷
۱۱۳	ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال	خان محمد نیاز الدین کے نام	۱۸
۱۱۶	مُشفیق خواجہ	بہ نام صدیق جاوید	۱۹

حصہ نظم

حمد و نعت

۱۱۹	ماہر القادری	حمد	۲۰
۱۲۲	اقبال عظیم	نعت	۲۱

پابند نظمیں

۱۲۵	نظیر اکبر آبادی	رہے نام اللہ کا	۲۲
۱۲۸	میر حسن	داستان تیری میں باغ کی (مثنوی)	۲۳
۱۳۱	میر انیس	یارب! چمن نظم کو --- (مرثیہ)	۲۴
۱۳۴	خواجہ الطاف حسین حالی	چُپ کی داد	۲۵
۱۳۷	ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال	مردِ مسلمان	۲۶
۱۴۰	احسان دانش	نوائے سروش	۲۷

رباعیات

۱۴۳	صادق دہلوی	جوش	اجتہاد حیدر آبادی	میر انیس	۲۸
-----	------------	-----	-------------------	----------	----

قطعات

۱۴۶	ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال	تن بہ تقدیر	۲۹
۱۴۶	رکیم امر دہلوی	مہک	۳۰

شعری مزاج

۱۴۸	انور مسعود	سائید ایکٹس	۳۱
-----	------------	-------------	----

قومی نغمہ

۱۵۱	ساقی جاوید	چاند میری زمیں	۳۲
-----	------------	----------------	----

آزاد نظم

۱۵۴	افتخار عارف	استغاثہ	۳۳
۱۵۶	پروین شاکر	مشورہ	۳۴

غزلیات

۱۵۷	خواجہ میر درد	غزلیات	۳۵
۱۶۰	میر تقی میر	غزلیات	۳۶
۱۶۳	خواجہ حیدر علی آتش	غزلیات	۳۷
۱۶۶	مرزا اسد اللہ خاں غالب	غزلیات	۳۸
۱۶۸	داغ دہلوی	غزل	۳۹
۱۷۱	حسرت موہانی	غزل	۴۰
۱۷۳	منیر نیازی	غزل	۴۱
۱۷۴	احمد فراز	غزل	۴۲
۱۷۶	قائل اجمیری	غزل	۴۳
۱۷۸	آفاق صدیقی	پیامِ لطیف (وائی)	۴۴

فرہنگ

۱۸۱			۴۵
-----	--	--	----

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سر سید احمد خان



پیدائش: ۱۷ - اکتوبر ۱۸۱۷ء دہلی

وفات: ۲۷ - مارچ ۱۸۹۸ء علی گڑھ

قطعات: خان بہادر، سر

تصانیف: آثار السنائد، سفرنامہ مسافرانِ لندن، تاریخ سرکشی بجنور، اسباب بغاوت ہند،

خطبات احمدیہ

قومی اتفاق

حاصلاتِ تعلم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) علمی یا ادبی گفتگوں کو محفوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کر سکیں۔ (۲) کسی متن کو سن کر اپنی جماعت کے معیار کے مطابق مناسب جواب دے سکیں۔ (۳) درسی کتاب کے مطالعے سے اخذ کردہ معلومات اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں بہ صورت مضمون تحریر کر سکیں۔ (۴) مختلف قسم کے فارم پُر کر سکیں۔ مثلاً: داخلہ فارم۔

قوم کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنوں پر کسی قدر غور کرنا لازم ہے۔ زمانہ دراز سے جس کی ابتدا تاریخی زمانے سے بھی بالاتر ہے۔ قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کا باشندہ ہونے سے ہوتا تھا۔

حَضْرَتُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ (ترجمہ: حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ) پر اور آپ کے آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمت اور سلامتی ہو۔) نے اس تفرقہ قومی کو جو صرف دنیوی اعتبار سے تھا، منادیا اور ایک روحانی رشتہ قومی قائم کیا جو ایک جبلِ التین:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

(ترجمہ: اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں حَضْرَتُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اللہ کے رسول ہیں۔) سے مضبوط تھا۔ تمام قومی سلسلے، تمام قومی رشتے، سب کے سب اس روحانی رشتے کے سامنے نیست و نابود ہو گئے اور ایک نیا روحانی، بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم ہو گیا۔

اسلام کسی سے نہیں پوچھتا کہ وہ ترک ہے یا تاجیک، وہ افریقہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا، وہ چین کا باشندہ ہے یا مچھن کا، وہ پنجاب میں پیدا ہوا ہے یا ہندوستان میں، وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا،

بلکہ جس کسی نے العروۃ الوثقی (توحید کی مضبوط رسی) کلمہ توحید کو مستحکم کیا وہ ایک قوم ہو گیا۔ کیوں کہ خدا نے خود فرمایا ہے:

”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ (سورۃ الحجرات - ۱۰)

(ترجمہ: مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔) مجھے اس بات کے دیکھنے سے نہایت افسوس ہے کہ ہم سب آپس میں بھائی تو ہیں، مگر مثل برادران یوسف کے ہیں۔ آپس میں دوستی اور محبت، یک دلی اور یک جہتی بہت کم ہے۔ حسد، بغض و عداوت کا ہر جگہ اثر پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ آپس کی نا اتفاقی ہے۔ شیطان، جس نے خدا سے وعدہ کیا کہ وہ:

”لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ“ (سورۃ الاعراف - ۱۶)

(ترجمہ: میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان کو گم راہ کرنے کے لیے بیٹھوں گا۔)

ایک مقدس اور بہ ظاہر نہایت نورانی حیلے سے آپس میں بھائیوں کے، جن کو کہ خدا نے بھائی بنایا ہے، نفاق ڈالنے میں کام یاب ہو جاتا ہے۔

کون شخص ہے جو اس بات کو نہیں جانتا ہے کہ:

”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَبِلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ قَبْلَ أَنْ تَمُوتَ“

(ترجمہ: جس شخص نے ”لا الہ الا اللہ“ کہا پس وہ مسلمان ہے۔ جو شخص ہمارے قبلے کی طرف رخ (کرنے کا عہدہ رکھتا) کرتا ہے پس وہ مسلمان ہے اور جو مسلمان ہے وہ بھائی ہے۔) امام اعظمؒ کا مذہب مشہور ہے:

”لَا تَكْفُرُ أَهْلُ الْقَبِيلَةِ“

(ترجمہ: ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔)

بہ ایں ہمہ فروعی مسائل میں اختلاف ہونے کے سبب کس طرح ہماری قوم نے اس جبل التین کی بندش کو توڑا ہے اور اس رشتہ اخوت کو جسے خود خدا نے قائم کیا تھا، چھوڑا ہے۔

ان نا اتفاقیوں نے ہماری قوم کو نہایت ضعیف اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ جمعیت کی برکت ہماری قوم سے جاتی رہی ہے۔ قومی ہم دروی اور قومی ترقی اور قومی امور کے سر انجام دینے میں اس نالائق نا اتفاقی نے بہت کچھ اثر بد پہنچایا ہے۔ پس ہماری قومی ترقی کا سب سے اول مرحلہ یہ ہے کہ ہم سب آپس کی محبت سے اس عداوت و نفاق کو یکتائی و یک جہتی سے مبدل کریں۔

یکتائی و یک جہتی سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے عقائد کو چھوڑ کر ایک عقیدے پر قائم ہو جائیں، یہ امر تو قانون قدرت کے برخلاف ہے جو ہو نہیں سکتا۔ نہ تو پہلے کبھی ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ اتفاق کے قائم رکھنے کی، جس کی ہم کو ضرورت ہے، ایک اور عقلی و نقلی راہ ہے جس کی پیروی قومی اتحاد کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ انسان جب اپنی ہستی پر نظر ڈالے گا تو اپنے میں دو حصے پائے گا۔ ایک حصہ خدا کا اور

ایک حصّہ اپنے ابنائے جنس کا۔ انسان کا دل یا اس کا اعتقاد یا مختصر سے الفاظ میں یوں کہو کہ اس کا مذہب خدا کا حصّہ ہے جس میں دوسرا کوئی شریک نہیں۔ اس کے عقائد کی جو کچھ بھلائی یا برائی ہو اس کا معاملہ اس کے خدا کے ساتھ ہے۔ نہ بھائی اس میں شریک ہے، نہ بیٹا، نہ دوست نہ آشنا اور نہ قوم۔ پس ہم کو اس بات سے، جس کا اثر ہر ایک کی صرف ذات تک محدود ہے اور ہم سے کچھ تعلق نہیں ہے، کچھ بھی تعلق رکھنا نہیں چاہیے۔

نہایت افسوس اور نادانی کی بات ہے کہ ہم کسی سے ایسے امر میں عداوت رکھیں جس کا اثر خود اسی تک محدود ہے اور ہم کو اس سے کچھ بھی ضرر و نقصان نہیں۔ جو حصّہ کہ انسان میں اُس کے ابنائے جنس کا ہے اس سے ہم کو غرض رکھنی چاہیے اور وہ حصّہ آپس کی محبت، باہمی دوستی، ایک دوسرے کی اعانت، ایک دوسرے کی ہم دردی ہے، جس کے مجموعے کا نام قومی ہم دردی ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت اور آپس میں برادرانہ برتاؤ، قومی اتفاق، قومی ہم دردی قائم ہو سکتی ہے جو قومی ترقی کے لیے پہلی منزل ہے۔

یہ بات ہم کو بھولنی نہیں چاہیے کہ ان روحانی بھائیوں کے سوا اور بھی ہمارے وطنی بھائی ہیں۔ گو وہ ہمارے ساتھ اس کلمے میں، جس نے ہم مختلف قوموں اور مختلف فرقوں کو ایک قوم اور آپس میں روحانی بھائی بنادیا ہے، شریک نہیں ہیں، مگر بہت سے تمدنی امور ہیں جن میں ہم اور وہ مثل بھائیوں کے شریک ہیں۔ ہم سائے کا ادب ہمارے مذہب کا ایک جزو ہے اور یہی ہم ساگی و وسعت پاتے پاتے ہم ملکی اور ہم وطنی کی وسعت تک پہنچ گئی ہے۔

ان ہم وطن بھائیوں میں بھی دو حصّے ہیں، ایک خدا کا اور ایک ابنائے جنس کا۔ خدا کا حصّہ خدا کے لیے چھوڑو اور جو حصّہ ان میں ابنائے جنس کا ہے اس سے غرض رکھو۔ تمام امور انسانیت میں، جو تمدن و معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں ایک دوسرے کے مددگار رہو۔ آپس میں سچی محبت، سچی دوستی اور دوستانہ بردباری رکھو۔

اتفاق کی خوبیاں لوگوں نے بہت کچھ بیان کی ہیں اور وہ ایسی ظاہر ہیں کہ کوئی شخص اتفاق سے بھی ان کو بھول نہیں سکتا۔ بہت بڑے بڑے واقعات دنیا میں گزرے ہیں جن کو پرانی تاریخیں یاد دلاتی ہیں اور جن کی یاد سے ایک عجیب اثر ہمارے دلوں میں ہوتا ہے۔ وہ سب باہمی اتفاق کا نتیجہ ہے۔ اس وقت تعلیم یافتہ دنیا میں جو کچھ ترقی ہے یا مہذب ملکوں میں جو کچھ طاقت ہے وہ سب اتفاق کی بہ دولت ہے۔ بعض قابل ادب بزرگوں کا قول ہے کہ جس طرح اصلی دوستی دنیا میں ناپید ہے اسی طرح آپس کا اتفاق بھی ناممکن ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تمام انسانوں کی طبائع اور ان کے اغراض مختلف ہیں، تو ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔ ہاں! یہ بات سچ ہے، مگر جس اتفاق پر ہم بحث کرتے ہیں وہ شخصی اتفاق نہیں ہے، بلکہ قومی اتفاق ہے ہمارے آپس میں گو کیسا ہی نفاق ہو، جو خدا کے نزدیک ایک

سخت گناہ ہے، مگر وہ قومی اتحاد اور قومی اتفاق کا مانع نہیں ہے۔ قومی بھلائی یا قومی برائی کا اثر تمام قوم کے لوگوں پر پہنچتا ہے۔

اس زمانے میں جو سب سے بڑا سبب ہماری قوم کے تنزل کا ہے وہ یہی ہے کہ ہم میں قومی اتفاق کا خیال نسیا نسیا ہو گیا ہے۔ کسی کو بہ جز ذاتی منفعت کے قومی بھلائی یا قومی منفعت کا خیال بھی نہیں آتا ہے۔ اگر کوئی کچھ کرتا بھی ہے تو اس کو پہلے اپنی ذاتی غرض مد نظر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی۔

(ماخوذ از: مقالات سرسید جلد پنجم)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) پرانے زمانے میں لفظ ”قوم“ سے کیا مراد لی جاتی تھی؟
- (۲) اسلام نے تفرقہ قومی کو مٹا کر کون سا رشتہ قائم کیا؟
- (۳) سرسید کے نزدیک قومی ترقی کا اولین مرحلہ کیا ہے؟
- (۴) یکتائی و یک جہتی سے سرسید کی کیا مراد ہے؟
- (۵) مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب کیا ہے؟
- (۶) سرسید کے مطابق قومی اتحاد کیسے قائم کیا جاسکتا ہے؟
- (۷) قومی ہم دردی کے کیا فائدے ہیں؟
- (۸) شخصی اتفاق اور قومی اتفاق میں کیا فرق ہے؟

سوال نمبر ۲: اس سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) جل المتین سے مراد ہے:

(الف) مذہب (ب) یک جہتی (ج) رنگ و نسل (د) قومیت

- (۲) ہم سائے کا ادب ہمارے مذہب کا ہے:
 (الف) جزو (ب) نصف (ج) کل (د) مرکز
- (۳) قومی ترقی کا بنیادی سبب ہوتا ہے:
 (الف) مذہب (ب) تجارت (ج) زراعت (د) اتفاق
- (۴) سرسید کی نظر میں ہماری قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے:
 (الف) مال و دولت نے (ب) نا اتفاقی نے (ج) ذاتی مفادات نے (د) بے حسنی نے
- (۵) الغرۃ الوثقی سے مراد ہے:
 (الف) اخوت (ب) اتحاد (ج) تنظیم (د) توحید

سوال نمبر ۴: درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے:

- (الف) ہم میں قومی اتفاق کا خیال نسیا نہ گیا ہو گیا ہے۔
 (ب) جس کسی نے الغرۃ الوثقی کلمہ توحید کو مستحکم کیا وہ ایک قوم بن گیا۔
 (ج) ہم سب آپس کی محبت سے اس عداوت و نفاق کو یکتائی و یک جہتی سے مبدل کریں۔

سوال نمبر ۵: ذیل کے الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ایک جہتی	رشتہ اخوت	اعانت	منفعت	آہائے جنس
----------	-----------	-------	-------	-----------

سوال نمبر ۶: ”قومی اتفاق کی ضرورت“ کے عنوان پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔



طلبہ پر انٹرمی اسکول کا داخلہ فارم لیں گے اور فرداً فرداً اسے پُر کر کے استاد کو دکھائیں گے۔

مضمون: کسی متعین موضوع پر ضروری معلومات یا اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے مضمون کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ دنیا کے ہر معاملے، مسئلے یا موضوع پر مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ مضمون کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔

(۱) زیر بحث مسئلے کا تعارف (۲) حمایت یا مخالف میں دلائل (۳) نتیجہ۔ ہر مضمون کے لیے نظم و ضبط، توازن اور تناسب ضروری ہے۔ مضمون میں طرز بیان اور زبان کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ الفاظ میں جس قدر قطعیت اور شفافیت ہوگی اسی قدر مدعا نگاری کا حق ادا ہوگا۔

برائے اساتذہ

پرائمری اسکول کا داخلہ فارم طلبہ کو فراہم کیجیے اور پُر کروا کر اس کی جانچ کیجیے۔ ضروری ہو تو اُن کی اصلاح بھی کیجیے۔

نئے الفاظ و تراکیب کا درست تلفظ اور معنی و تشریح بتائیے۔

پہلے طلبہ کو عبارت فہمی کا موقع دیجیے۔ اس کے بعد تقریری طریقہ اختیار کرتے ہوئے مؤثر تعمیری بازاری کیجیے۔



مولانا الطاف حسین حالی

پیدائش: ۱۸۳۷ء پانی پت

وفات: ۱۹۱۳ء پانی پت

مقدمہ شعر و شاعری، حیات سعدی، یادگار غالب، حیات جاوید، دیوان حالی اور مسدس مدو جزیر اسلام۔

زبان گویا

حاصلِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) درسی متن کو سمجھ کر استحضانی سوالات کا جواب تحریر کر سکیں۔
(۲) کسی ادبی، علمی، صحافتی یا سماجی موضوع پر درست لب و لہجے اور تلفظ سے لکھی ہوئی عبارت کی مدد سے دس منٹ تک تقریر کر سکیں۔ نیز ضرورت مناسبتاً اقوال پیش کر سکیں۔

اے میری بلبل ہزار داستاں! اے میری طوطی شیوا بیاں! اے میری قاصد! اے میری ترجمان!
اے میری وکیل! اے میری زبان! سچ بتاؤ کس درخت کی ٹہنی اور کس چمن کا پودا ہے؟ کہ تیرے ہر
پھول کا رنگ جدا اور تیرے ہر پھل میں ایک نیا مزہ ہے۔ کبھی تو ایک ساحر فسون ساز ہے جس کے سحر
کا رد نہ جادو کا اتار۔ کبھی تو ایک آفتی جاں گداز ہے جس کے زہر کی داڑو نہ کاٹے کا منتر۔ تو وہی زبان ہے
کہ بچپن میں کبھی اپنے ادھورے بولوں سے غیروں کا جی لبھاتی تھی اور کبھی اپنی شوخیوں سے ماں باپ کا
دل دکھاتی ہے۔ تو وہی زبان ہے کہ جوانی میں کہیں اپنی نرمی سے دلوں کا شکار کرتی تھی اور کہیں اپنی تیزی
سے سینوں کو فگار کرتی تھی۔

اے میری زبان! دشمن کو دوست بنانا اور دوست کو دشمن کر دکھانا تیرا ایک ادنیٰ کھیل ہے، جس
کے تماشے سیکڑوں دیکھے اور ہزاروں دیکھنے باقی ہیں۔ اے میری بنی بات کو بگاڑنے والی اور میرے بگڑے
کاموں کو سنوارنے والی! روتے کو ہنسانا اور ہنستے کو رلانا، روٹھے کو منانا اور بگڑے کو بنانا، نہیں معلوم تو نے
کہاں سے سیکھا اور کس سے سیکھا؟ کہیں تیری باتیں بس کی گانٹھیں ہیں اور کہیں تیرے بول شربت کے
گھونٹ ہیں۔ کہیں تو شہد ہے اور کہیں حنظل، کہیں تو زہر ہے اور کہیں تریاق۔ اے زبان! ہمارے بہت
سے آرام اور بہت سی تکلیفیں، ہمارے سیکڑوں نقصان اور ہزاروں فائدے، ہماری عزت، ہماری ذلت، ہماری
نیک نامی، ہماری بدنامی، ہمارا بچ، ہمارا جھوٹ، صرف تیری ایک ”ہاں“ اور ایک ”نہیں“ پر موقوف ہے۔
ایک تیری اس ”ہاں“ اور ”نہیں“ نے کروڑوں کی جانیں بچائیں اور لاکھوں کے سر کٹوائے۔
اے زبان! تو دیکھنے میں تو ایک پارہ گوشت کے سوا کچھ نہیں، مگر تیری طاقتِ نمونہ قدرتِ الہی

ہے۔ دیکھ! اس وقت کو رایگاں نہ کھو اور اس قدرت کو خاک میں نہ ملا۔ راستی تیرا جوہر ہے اور آزادی تیرا زیور۔ دیکھ اس جوہر کو برباد نہ کر اور اس زیور کو زنگ نہ لگا۔ تو دل کی امین ہے اور روح کی اپچی۔ دیکھ دل کی امانت میں خیانت نہ کر اور روح کے پیغام پر حاشیہ نہ چڑھا۔

اے زبان! تیرا منصب بہت عالی ہے اور تیری خدمت نہایت ممتاز۔ کہیں تیرا خطاب کاشفِ آسرا ہے اور کہیں تیرا لقب محرمِ راز۔ علم ایک خزانہ غیبی اور دل اس کا خزانچی، حوصلہ اس کا قفل ہے اور تو اس کی کلچی۔ دیکھ اس قفل کو بے اجازت نہ کھول اور اس خزانے کو بے موقع نہ اٹھا۔ وعظ و نصیحت تیرا فرض ہے اور تلقین و ارشاد تیرا کام۔ ناصحِ مشفق تیری صفت ہے اور مرشدِ برحق تیرا نام۔ خبردار! اس نام کو عیب نہ لگانا اور اس فرض سے جی نہ چرانا، ورنہ یہ منصبِ عالی تجھ سے چھن جائے گا۔ کیا تجھ کو یہ امید ہے کہ تو جھوٹ بھی بولے اور طوفان بھی اٹھائے، تو غیبت بھی کرے اور شہمت بھی لگائے، تو فریب بھی کرے اور چغلیاں بھی کھائے، اور پھر وہی زبان کی زبان کہلائے۔ نہیں ہر گز نہیں۔ اگر تو سچی زبان ہے تو زبان ہے ورنہ زبوں بلکہ سراسر زیان ہے۔ اگر تیرا قول صادق ہے تو شہدِ فائق ہے ورنہ تھوک دینے کے لائق ہے۔ اگر تو راست گفتار ہے تو ہمارے منہ میں اور دوسروں کے دلوں میں جگہ پائے گی، ورنہ گڈی سے کھینچ کر نکالی جائے گی۔

اے زبان! جھوٹوں نے تیرا کہنا مانا اور جو تیرا حکم بجالائے، انھوں نے سخت الزام اٹھائے اور بہت بچھڑائے۔ کسی نے انھیں فریبی اور مکار کہا، کسی نے گستاخ اور منہ پھٹ اُن کا نام رکھا۔ کسی نے رباکار ٹھہرایا اور کسی نے ٹخن ساز۔ کسی نے بدعہد بتایا اور کسی نے غماز، غیبت اور بہتان، مکر و افتراء، طعن اور تشنیع، گالی اور دشنام، پھکڑ اور ضلع جگت اور پھبتی، غرض دنیا بھر کے عیب اُن میں نکلے اور وہ اُن سب کے سزاوار ٹھہرے۔ اے زبان! یاد رکھ۔ ہم تیرا کہنا نہ مانیں گے اور تیرے قابو میں ہر گز نہ آئیں گے۔ ہم تیری ڈور ڈھیلی نہ چھوڑیں گے اور تجھے مطلق العنان نہ بنائیں گے۔ ہم جان پر کھیلیں گے پر تجھ سے جھوٹ نہ بلوائیں گے۔ ہم سر کے بدلے کان نہ کنوائیں گے۔

اے زبان! ہم دیکھتے ہیں کہ گھوڑا جب اپنے آقا کو دیکھ کر محبت کے جوش میں آتا ہے تو بے اختیار ہنپناتا ہے، اور کتا جب پیار کے مارے بے تاب ہو جاتا ہے، تو اپنے مالک کے سامنے دُم ہلاتا ہے۔ وہ نام کے جانور اور اُن کا ظاہر و باطن یکساں۔ ہم نام کے آدمی مگر ہمارے دل میں ”نہیں“ اور زبان پر ”ہاں“۔ الہی! اگر ہم کو رخصتِ گفتار ہے تو زبانِ راست گفتار دے، اور اگر دل پر تجھ کو اختیار ہے تو زبان پر ہم کو اختیار دے۔ ہم جب تک دنیا میں رہیں، سچے کہلائیں اور جب تیرے دربار میں آئیں تو سچے بن کر آئیں۔ آمین۔

(ترجمہ از: قیامت نڈ علی - جلد اول)





سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) اس مضمون کے آغاز میں زبان کے لیے کون کون سے الفاظ و تراکیب استعمال ہوئے ہیں؟
 (ب) بچپن میں زبان کا کیا کردار بیان کیا گیا ہے؟
 (ج) کن باتوں سے زبان کی خصوصیات کو نقصان پہنچتا ہے؟
 (د) حالی نے زبان کی طاقت کو نمونہ قدرت الہی کیوں کہا ہے؟
 (ه) زبان کو منصب اور خدمت کے لحاظ سے کن صفات کا حامل قرار دیا گیا ہے؟
 (و) زبان کے بہتر استعمال کے حوالے سے مصنف نے کیا دعا کی ہے؟

سوال نمبر ۲: اس سبق کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۳: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ متن کیجیے:

- (الف) ”دشمن کو دوست بنانا اور دوست کو دشمن کر دکھانا تیرا ایک ادنیٰ کھیل ہے، جس کے تماشے سیکڑوں دیکھے اور ہزاروں دیکھنے باقی ہیں۔“
 (ب) ”علم ایک خزانہ غیبی اور دل اُس کا خزانچی، حوصلہ اُس کا قفل ہے اور تُو اُس کی کُنچی۔ دیکھ اس قفل کو بے اجازت نہ کھول اور اس خزانے کو بے موقع نہ اٹھا۔“
 (ج) ”اے زبان! تو دیکھنے میں ایک پارہ گوشت کے سوا کچھ نہیں مگر تیری طاقت نمونہ قدرت الہی ہے۔“

سوال نمبر ۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

محرّم راز	سخن ساز	مُطَلِّعُ الْعِثَانِ	راست گفتار
جوہر	تربّاق	خُظَل	منصب عالی

سوال نمبر ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) زبان کے ہر پھول کا رنگ ہے:
 (الف) نرالا (ب) جدا (ج) علیحدہ (د) مختلف
 (۲) اے زبان تیری طاقت نمونہ ہے:
 (الف) اللہ کی طاقت کا (ب) قدرت الہی کا
 (ج) اللہ کی رحمت کا (د) قدرت آسمانی کا
 (۳) علم ایک خزانہ ہے:
 (الف) غیبی (ب) پوشیدہ (ج) چھپا ہوا (د) دبا ہوا

- (۴) زبان کا جوہر ہے: (الف) نصیحت (ب) راستی (ج) وعظ (د) گفتگو
- (۵) ہم جب تک دنیا میں رہیں کہلائیں: (الف) اچھے (ب) بچے (ج) نیک (د) سیدھے

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ گروپ کی صورت میں لغت کی مدد سے نئے الفاظ کی فرہنگ بنائیں گے۔
- ✦ نکات کی صورت میں زبان کی خصوصیات اخذ کر کے نوٹ تیار کریں گے۔

برائے اساتذہ

- ✦ طلبہ کو نئے الفاظ و تراکیب کا درست تلفظ اور معنی و تشریح بتائیے۔
- ✦ طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے اور ضروری ہو تو ان کی اصلاح کیجیے۔



خواجہ حسن نظامی (سید علی حسن)

پیدائش: ۱۸۶۳ء دہلی

وفات: جولائی ۱۹۵۵ء دہلی

تصانیف: بیگمات کے آنسو، غدرِ دہلی کے افسانے، سی پارہٴ دل

فائقے میں روزہ (دہلوی تاج دار کے ایک کنبے کا فسانہ)

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) ادبی مطالعہ کو روزمرہ زندگی سے ہم آہنگ کر سکیں۔ (۲) جماعت کے لیکچروں کو سمجھ کر ان کے چیدہ چیدہ نکات و اثری میں نوٹ کر سکیں۔ (۳) اسکول یا اس سے باہر کسی اخبار رسالے اور ویب سائٹ وغیرہ میں اپنے پسندیدہ اسلوب میں تحریر پیش کر سکیں۔

جب دہلی زندہ تھی اور ہندوستان کا دل کہلانے کا حق رکھتی تھی، لال قلعے پر تیموریوں کا آخری نشان لہرا رہا تھا۔ انھی دنوں کا ذکر ہے کہ مرزا سلیم بہادر (جو ابو ظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے اور غدر سے پہلے ایک اتفاقی قصور کے سبب قید ہو کر الہ آباد چلے گئے تھے) اپنے مردانہ مکان میں بیٹھے ہوئے دوستوں سے بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں زنان خانے سے ایک لونڈی باہر آئی اور ادب سے عرض کیا کہ ”حضور! بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔“ مرزا سلیم فوراً محل میں چلے گئے اور تھوڑی دیر میں مغموم واپس آئے۔ ایک بے تکلف ندیم نے عرض کیا: خیر باشد! مزاج عالی نکدر پاتا ہوں۔ مرزا نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”نہیں کچھ نہیں، بعض اوقات اماں حضرت خواہ مخواہ ناراض ہو جاتی ہیں۔ کل شام کو افطاری کے وقت تھیں خان گویا گا رہا تھا اور میرا دل بہلا رہا تھا۔ اس وقت اماں حضرت قرآن شریف پڑھا کرتی ہیں، ان کو یہ شور و غل ناگوار معلوم ہوا۔ آج ارشاد ہوا ہے کہ رمضان رمضان گانے بجانے کی محفلیں بند کر دی جائیں۔ بھلا میں اس تفریحی عادت کو کیوں کر چھوڑ سکتا ہوں۔ ادب کے لحاظ سے قبول تو کر لیا، مگر اس کی پابندی سے جی الجھتا ہے۔ حیران ہوں کہ یہ سولہ دن کیوں کر بسر ہوں گے۔“

مصاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: حضور یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے! شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد میں تشریف لے چلا کیجیے، عجب بہار ہوتی ہے۔ رنگ بہ رنگ کے آدمی، طرح طرح کے جگمگٹے دیکھنے میں آئیں گے۔ خدا کے دن ہیں، خدا والوں کی بہار بھی دیکھیے۔

مرزا نے اس صلاح کو پسند کیا اور دوسرے دن مصاحبوں کو لے کر جامع مسجد پہنچے۔ وہاں جاکر عجب عالم دیکھا۔ جگہ جگہ لوگ حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ کہیں قرآن شریف کے دور ہو رہے ہیں۔ رات کے قرآن سنانے والے حفاظ ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہیں۔ کہیں مسائل دین پر گفتگو ہو رہی ہے۔ دو عالم کسی فقہی مسئلے پر بحث کرتے ہیں اور بیسیوں آدمی گرد میں بیٹھے مزے سے سُن رہے ہیں۔ کسی جگہ توجہ اور مراقبے کا حلقہ ہے۔ کہیں کوئی صاحب وظائف میں مشغول ہیں۔ الغرض مسجد میں چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔

”کلّ جدید لذیذ“ مرزا کو یہ نظارہ بہت پسند آیا اور وقت بہت لطف سے کٹ گیا۔ اتنے میں افطار کا وقت قریب آیا۔ سیکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطاریاں تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مکلف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے تاکہ روزے داروں میں افطاری تقسیم کی جائے۔ اس کے علاوہ قلعے کی تمام بیگمات اور شہر کے سب امرا علیحدہ افطاری کے سامان بھیجتے تھے اس لیے اُن خوانوں کی گنتی سیکڑوں تک پہنچ جاتی تھی۔ چوں کہ ہر امیر کوشش کرتا تھا کہ اس کا سامان افطاری دوسروں سے بڑھ کر رہے، اس لیے ریشمی رنگ بہ رنگ کے خوان پوش اور ان پر مُقشیں جھالیں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی تھیں اور مسجد میں ان کی عجب آرائش ہو جاتی تھی۔

مرزا کے دل پر اس دینی چرچے اور شان و شوکت نے بڑا اثر ڈالا اور اب وہ برابر روزانہ مسجد میں آنے لگے۔ گھر میں وہ دیکھتے کہ سیکڑوں فقرا کو سحری اور اول شب کا کھانا روزانہ شہر کی خانقاہوں اور مسجدوں میں بھجوا جاتا تھا اور باوجود رات دن کے لہو و لعب کے یہ دن اُن کے گھر میں بڑی برکت اور چہل پہل کے معلوم ہوتے تھے۔

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور تو عمری کے سبب اکثر اپنے ماموں کی صحبت میں بے تکلف شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب و خیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیر و زبر ہو گئی۔ قلعہ برباد کر دیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں مل گئیں، ان کے گھر کھد گئے۔ ان کی بیگمات مالاگیری کرنے لگیں اور مسلمانوں کی سب شان و شوکت تاراج ہو گئی۔

مرزا شہ زور کی باتوں میں بڑا درد اور اثر تھا۔ ایک دن میں نے ان سے غدر کا قصہ اور تباہی کا فسانہ سنا چاہا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اس کے بیان کرنے میں عذرو مجبوری ظاہر کرنے لگے۔ لیکن جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو اپنی درد ناک کہانی اس طرح سنائی:

جب انگریزی توپوں نے، کرچوں اور سنگینوں نے، حکیمانہ توڑ جوڑنے، ہمارے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ تاج سر سے اتار لیا۔ تخت پر قبضہ کر لیا۔ شہر میں آتش ناک گولوں کا مینہ برس چکا۔ سات پردوں میں رہنے والیاں بے چادر ہو کر بازار میں اپنے وارثوں کی تڑپتی لاشوں کو دیکھنے نکل آئیں۔ چھوٹے بن باپ کے بچے ابا ابا لپکارتے ہوئے بے یار و مددگار پھرنے لگے۔ حضور ظلّ سبحانی، جن پر ہم سب کا سہارا تھا، قلعہ

چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ اس وقت میں نے بھی اپنی بوڑھی والدہ، کم سن بہن اور بیوی کو ساتھ لے کر اور اجڑے قافلے کا سالار بن کر گھر سے کوچ کیا۔

ہم لوگ دو رتھوں میں سوار تھے۔ سیدھے غازی آباد کا رخ کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ راستہ انگریزی لشکر کی جولان گاہ بنا ہوا ہے اس لیے شاہ درہ سے واپس ہو کر قطب صاحب چلے اور وہاں پہنچ کر رات کو آرام کیا۔ اس کے بعد صبح آگے روانہ ہوئے۔ چھترپور کے قریب گوجروں نے حملہ کیا اور سب سامان لوٹ لیا، مگر اتنی مہربانی کی کہ ہم کو زندہ چھوڑ دیا۔ وہ لقمہ جنگل، تین عورتوں کا ساتھ اور عورتیں بھی کیسی، ایک بڑھاپے سے لاچار، دو قدم چلنا دشوار، دوسری بیمار، تیسری دس برس کی معصوم لڑکی زار و نزار۔ عورتیں روتی تھیں اور بیان کر کر کے روتی تھیں۔ میرا کلیجان کے بیان سے پھٹا جاتا تھا۔ والدہ کہتی تھیں الہی ہم کہاں جائیں، کس کا سہارا ڈھونڈیں، ہمارا تاج و تخت لٹ گیا، ٹوٹنا پوریا اور امن کی جگہ تو دے، اس بیمار کو، کہاں لے کر بیٹھوں، اس معصوم بچی کو کس کے حوالے کروں، جنگل کے درخت بھی ہمارے دشمن ہیں، کہیں سایہ نظر نہیں آتا۔ بہن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی اور ہم سب کا منہ دیکھتی تھی۔ مجھ کو اس کی معصومانہ بے کسی پر بڑا ترس آتا تھا۔ آخر مجبوراً میں نے عورتوں کو دلاسا دیا اور آگے چلنے کی ہمت بندھائی۔ گاؤں سامنے نظر آتا تھا۔ غریب عورتوں نے چلنا شروع کیا۔ والدہ صاحبہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی تھیں اور سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھیں اور جب وہ یہ کہتیں:

”تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلاتی ہے جو تاج وروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کر دیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔ ہم چنگیز کی نسل ہیں جس کی تلوار سے زمین کا پتی تھی۔ ہم تیمور کی اولاد ہیں جو ملکوں کا اور شہریاروں کا شاہ تھا۔ ہم شاہ جہاں کے گھر والے ہیں جس نے ایک قبر پر جواہر نگار بہار دکھادی اور دنیا میں بے نظیر مسجد دہلی کے اندر بنادی۔ ہم ہندوستان کے شہنشاہ کے کنبے میں سے ہیں۔ ہم عزت والے تھے زمین میں ہمیں کیوں ٹھکانا نہیں ملتا، وہ کیوں سرکشی کرتی ہے۔ آج ہم پر مصیبت ہے، آج ہم پر آسمان روتا ہے۔“

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بھادوں کا مہینا آیا اور گاؤں میں سب کو بخار آنے لگا، میری اہلیہ اور بہن کو بھی بخار نے آن دیا۔ وہ گاؤں، وہاں دواؤں اور حکیم کا کیا ذکر۔ خود لوٹ پیٹ کر اچھے ہو جاتے ہیں مگر ہم کو دواؤں کی عادت تھی، سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ اسی حالت میں ایک دن زور کی بارش ہوئی کہ جنگل کا نالا چڑھ آیا اور گاؤں میں کمر کمر پانی ہو گیا۔ گاؤں والے تو اس کے عادی تھے لیکن ہماری حالت اس طوفان کے سبب مرنے سے بدتر ہو گئی۔ چوں کہ پانی ایک دفعہ ہی رات کے وقت گھس آیا تھا اس لیے ہماری عورتوں کی چارپائیاں بالکل غرقاب ہو گئیں۔ آخر بڑی مشکل سے چھتر کی بلیوں میں دو چارپائیاں اڑا کر عورتوں کو ان پر بٹھایا۔ پانی گھٹنے بھر میں اتر گیا مگر غضب یہ ہوا کہ کھانے کا اناج اور اوڑھنے بچھانے کے کپڑے تر کر گیا۔

اب ہم کو کھانے کی فکر ہوئی۔ گاؤں والوں سے بھی مانگتے ہوئے لحاظ آتا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح

مصیبت میں گرفتار تھے۔ تاہم بے چارے گاؤں کے چودھری کو خود ہی خیال آیا اور اس نے قطب صاحب سے ایک رُپے کا آٹا منگوا دیا۔ وہ آٹا نصف کے قریب خرچ ہوا ہوگا کہ رمضان شریف کا چاند نظر آیا۔ والدہ صاحبہ کا دل بہت نازک تھا، وہ ہر وقت گزشتہ زمانے کو یاد کیا کرتی تھیں۔ رمضان کا چاند دیکھ کر انھوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور چپ ہو گئیں۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو پچھلا زمانہ یاد آرہا ہے۔ تسلی کی باتیں کرنے لگا جس سے ان کو کچھ ڈھارس ہوئی۔ چار پانچ دن تو آرام سے گزر گئے، مگر جب آٹا ختم ہو چکا تو بڑی مشکل درپیش ہوئی۔ سوال کرتے ہوئے شرم آتی تھی اور پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی۔ شام کو پانی سے روزہ کھولا، بھوک کے مارے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ والدہ صاحبہ کی عادت تھی کہ اس قسم کی تکلیف کے وقت بیان کر کے رویا کرتی تھیں مگر آج بڑے اطمینان سے خاموش تھیں۔ ان کی خاموشی و اطمینان سے میرے دل کو بھی سہارا ہوا اور چھوٹی بہن کو جس کے چہرے پر بھوک کے مارے ہوائیاں اڑ رہی تھیں، دلاسا دینے لگا۔ وہ معصوم بھی میرے سمجھانے سے نڈھال ہو کر چارپائی پر جا پڑی اور تھوڑی دیر میں سو گئی۔ بھوک میں نیند کہاں آتی ہے بس ایک غوطہ سا تھا۔ اس غوطے اور ناتوانی کی حالت میں سحری کا وقت آگیا۔ والدہ صاحبہ اٹھیں اور تہجد کی نماز کے بعد جن درد ناک الفاظ میں انھوں نے دعا مانگی ان کا نقل کرنا محال ہے۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ انھوں نے بارگاہِ الہی میں عرض کیا کہ

”ہم نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہمارے گھر میں سیکڑوں محتاجوں کو کھانا ملتا تھا اور آج ہم خود دانے دانے کو محتاج ہیں اور روزے پر روزہ رکھتے ہیں۔ خداوند! اگر ہم سے قصور ہوا ہے تو اس معصوم بچی نے کیا خطا کی ہے جس کے منہ میں کل سے ایک کھیل اڑ کر نہیں گئی۔“

دوسرا دن بھی یوں ہی گزر گیا اور فاتے میں روزے پر روزہ رکھا۔ شام کے وقت چودھری کا آدمی دودھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا: ”آج ہمارے نیاز تھی، یہ اس کا کھانا ہے اور پانچ رُپے زکوٰۃ کے ہیں۔ ہر سال بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری دیا کرتے تھے مگر اب کے نقد دے دیا ہے۔“ یہ کھانا اور رُپے مجھ کو ایسی نعمت معلوم ہوئی گویا بادشاہت مل گئی۔ خوشی خوشی والدہ کے آگے سارا قصہ کہا۔ کہتا جاتا تھا اور خدا کا شکرانہ بھیجتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ والدہ کا رنگ مُنَّعِیَّر ہو گیا۔ باوجود فاتے کی ناتوانی کے انھوں نے تیور بدل کر کہا: ”ثُف ہو تیری غیرت پر، خیرات اور زکوٰۃ لے کر آیا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ ارے اس سے مرجانا بہتر تھا۔ اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی۔ میدان میں نکل کر مرجانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے، صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں۔“ والدہ کی ان باتوں سے مجھے پسینا آگیا اور شرم کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ چاہا کہ اٹھ کر یہ چیزیں واپس کر آؤں مگر والدہ نے روکا اور کہا: ”خدا ہی کو یہ منظور ہے تو ہم کیا کریں سب کچھ

سہنا ہوگا۔ یہ کہہ کر کھانا رکھ لیا اور روزہ کھولنے کے بعد ہم سب نے مل کر کھالیا۔ پانچ روپے کا آٹا منگوا لیا جس سے رمضان خیر و خوبی سے گزر گیا۔

اس کے بعد چھ مہینے گاؤں میں رہے اور پھر دہلی چلے آئے۔ یہاں آکر والدہ کا انتقال ہو گیا اور بہن کی شادی کر دی۔ انگریزی سرکار نے میری بھی پانچ روپے ماہ وار پنشن مقرر کر دی ہے، جس پر آج کل زندگی کا انحصار ہے۔

(ماخوذ از ”سیکات کے آنسو“)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) نتھن خان کے گانے سے اکتا کر انان حضرت نے کیا حکم صادر فرمایا؟
- (ب) مصاحب نے مرزا صاحب کو کیا مشورہ دیا؟
- (ج) ”کلّ جدید لذیذ“ سے کیا مراد ہے؟
- (د) رمضان میں افطاری کے وقت مسجد میں کیا سماں تھا؟
- (ه) مرزا صاحب کو کیا بات اچھی لگی کہ وہ باقاعدہ مسجد آنے لگے؟
- (و) غدر کی تباہی کے شاہی خاندان پر اثرات بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

زنان خانہ	مغموم	عجب بہار ہونا	مکلف
زیر و زبر ہونا	ماما گیری	ولاسا دینا	مکدر

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) ہندوستان کا دل کہلاتی تھی: (الف) بادشاہی (ب) دلی (ج) مسجد (د) رنگینی
- (۲) ابو ظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے: (الف) ندیم (ب) مرزا صاحب (ج) مرزا سلیم بہادر (د) مرزا شہ زور

- (۳) ”لہو و لعب“ کا مطلب ہے:
- (الف) کھیل کود (ب) فضول خرچ (ج) مزے دار کھانے (د) شان و شوکت
- (۴) ”رنگ متغیر ہونا“ ہے:
- (الف) روزمرہ (ب) محاورہ (ج) ضرب المثل (د) کہاوٹ
- (۵) انگریزی سرکار نے ماہ وار پنشن مقرر کر دی:
- (الف) چار روپے (ب) پانچ روپے (ج) دس روپے (د) پندرہ روپے

سوال نمبر ۴: درج ذیل اقتباسات کی وضاحت کیجیے:

- (الف) ”تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاج وروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کر دیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔“
- (ب) ”اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی۔ میدان میں نکل کر مرجانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں۔“

سوال نمبر ۵: سبق کے کوئی پانچ محاورے اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔



- طلبہ اس سبق کے محاوروں اور روزمرہوں کو الگ الگ کر کے ڈائری میں لکھیں گے۔
- طلبہ اس سبق کی خاص باتیں پڑھ کر اپنی اپنی ڈائری میں تحریر کریں گے۔
- طلبہ اس طرح کی کوئی کہانی وضع کر کے اپنے اپنے انداز میں لکھیں گے اور کسی اخبار یا رسالے کے مدیر کو اشاعت کے لیے بھجوائیں گے۔



- طلبہ کو ”روزمرہ“ اور ”محاورہ“ کا فرق سمجھائیے۔
- پہلے طلبہ کو عبارت فہمی کا موقع دیجیے۔ اس کے بعد تقریری طریقہ اختیار کرتے ہوئے مؤثر بازاری فراہم کیجیے۔

آفتاب حسن



پیدائش: ۱۶ - ستمبر ۱۹۰۹ء بمبار (ہندوستان)

وفات: ۲۶ - فروری ۱۹۹۳ء کراچی

تصنیف: سائنس ہمارے لیے

پٹرولیم کی کہانی

حاصلاتِ تعلم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) گفتگو یا عبارت سن کر درست تفہیم کر سکیں اور امتحان کر سکیں۔
(۲) کسی بھی درسی عبارت کو مناسب رفتار مطالعہ سے پڑھ سکیں۔ (۳) مضمون لکھتے ہوئے متعلقہ/ضروری نکات پر اپنی رائے پیش کر سکیں۔ (۴) ادب پڑھ کر تخلیقی صلاحیتیں پیدا کر سکیں۔ مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ مواد پڑھ کر سمجھ سکیں۔

ہماری زمین اُن مول خزانوں سے بھری پڑی ہے اور ان خزانوں سے جو دولت نکلتی ہے اس میں پٹرولیم ایسی شے ہے جس کا بدل ملنا مشکل ہے۔ جدید دنیا دراصل مشین کی دنیا ہے۔ مشین کے لیے اس وقت تین اہم ذریعے ہیں، بجلی، کونکہ اور پٹرول۔ بجلی ایک جگہ قائم رہنے والی مشینوں کے لیے بہت موزوں ہے۔ حمل و نقل کی مشینوں میں بھی بجلی استعمال ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لیے تار کی ضرورت ہے۔ یہ لازمی ہے کہ مشینوں کا تعلق تار کے ذریعے بجلی کے کارخانوں سے رہے۔ سرِ دست یہ ممکن نہیں ہے کہ بجلی کی بڑی مقدار کو جمع کر کے رکھا جائے اور اس سے موٹر اور ہوائی جہاز چلائے جائیں۔ کونکہ عام طور پر کارخانوں، جہازوں اور ریلوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس میں مصیبت یہ ہے کہ قوت کی مُناسبت سے اس میں وزن زیادہ ہوتا ہے۔ تیز رو اور ہلکی مشینوں میں یہ کام نہیں دے سکتا۔ اب رہ گیا پٹرول، یہی وہ صاف ستھری جلد بھڑک اٹھنے والی چیز ہے جو مشینوں کے جسم میں خون کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کی تیز ترین مشینیں اس سے چلتی ہیں۔ ہوائی جہاز، موٹریں اور طرح طرح کی گاڑیاں اس کے بل پر طول طویل فاصلے پل بھر میں طے کر لیتی ہیں۔ خشکی، تری اور ہوا میں جب کسی مشین کو آپ حرکت کرتے ہوئے دیکھیں تو یقین کیجیے کہ اس میں پٹرولیم کسی نہ کسی صورت میں استعمال ہو رہا ہے۔

پرانے لوگ پٹرولیم سے واقف تھے

پٹرولیم کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔ پرانے لوگ اس سے واقف تھے۔ انجیل میں اس کا ذکر موجود

ہے۔ قدیم مورخ، ہیرودوٹس، بابل کے قریب ایک تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے۔ یہی مورخ بیان کرتا ہے کہ جزیرہ زانے میں بھی ایک تیل کا چشمہ ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ دو ہزار سال گزر گئے لیکن زانے میں اب بھی تیل کا چشمہ موجود ہے۔

بلیاناس (پلینی) نے صقلیہ میں معدنی تیل کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ پرانی جاپانی اور چینی کتابوں میں بھی جگہ جگہ معدنی تیل کا بیان ہے، مشہور سیاح مارکوپولو اپنے سفر نامے میں باکو کے قریب تیل کے چشموں کا بڑی تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ صرف ایک چشمے سے تیل اس قدر نکلتا ہے کہ اس سے سو جہازوں کو بھرا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مارکوپولو یہ بھی بتاتا ہے کہ تیل کھانے کے لائق نہیں اس کو صرف جلانے کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

پرانی لوگ تیل کو جلانے کے علاوہ دوا کے کام میں لایا کرتے تھے۔ یہ زخموں کو اچھا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ پٹرولیم سے جب تمام آسانی سے بخارات میں تبدیل ہو جانے والے اجزاء نکل جاتے ہیں تو ایک گاڑھی شے بن جاتی ہے اس کو قیر (ٹچ) کہتے ہیں۔ اس کو قدیم زمانہ میں کشتیوں کو پانی کے اثر سے محفوظ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

چینی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بہت پہلے زمین کھود کھود کر تیل نکالا کرتے تھے۔ برما میں ارادی ندی کے کنارے جو چشمے ہیں بہت قدیم ہیں۔ آج بھی زبردست برموں سے کھودے ہوئے کنوؤں اور جدید آلات سے مزیّن کارخانوں کے بازو میں ہاتھ سے کھودے ہوئے تیل کے کنوئیں موجود ہیں۔ جن سے برمی لوگ تیل نکالا کرتے ہیں۔

زمین کے اندر تیل کیسے بنا؟

کیمیائی نقطہ نگاہ سے پٹرولیم ایک بہت سادہ سی ہے۔ یہ صرف دو عناصر کاربن اور ہائیڈروجن سے مل کر بنا ہے۔ ہائیڈروجن اور کاربن کے مرکب کو کیمیا کی زبان میں ہائیڈروکاربن کہتے ہیں۔ پٹرولیم مختلف قسم کے ہائیڈروکاربن کا ایک آمیزہ ہے۔ اس سوال کا کہ زمین کے اندر یہ ہائیڈروکاربن کہاں سے آگئے، قطعی جواب دینا مشکل ہے۔ ناظرین کو تعجب ہوگا کہ گو پٹرولیم کی صنعت اس قدر اہم ہے، کہ دنیا کی اکثر مشینوں میں اس کی ضرورت کسی نہ کسی شکل میں پیش آتی ہے، اور اس کو دریافت ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے، لیکن لوگوں کو ابھی تک قطعی طور پر نہیں معلوم کہ یہ چیز کس طرح وجود میں آئی۔

یہ جو سنگ مرمر، ریت پتھر، چونا پتھر، شیل اور دوسرے قسم کے تہہ بہ تہہ جے ہوئے پتھر ہمیں زمین کے اندر نظر آتے ہیں ان کو رسوبی چٹانیں کہا جاتا ہے۔ یہ چٹانیں اب تو خشکی میں ہیں لیکن دراصل یہ سمندر کی تہہ میں لاکھوں سال کے عمل سے تیار ہوئی ہیں۔ آج سے کروڑوں سال پہلے زمین کی حالت مختلف تھی۔ آج جہاں خشکی ہے، لوگ رستے بستے ہیں۔ وہاں سمندر ٹھانھیں مارتا تھا۔ اور جہاں سمندر پھیلا ہوا

ہے وہاں گھنے جنگل اور پہاڑ اپنے زمانے کے جانوروں سے بھرے ہوئے تھے۔

بارش کے سبب تالے، ندیاں، دریا خشکی سے ریت اور مٹی کی بڑی بڑی مقداریں سمندر میں بہا کر لاتے رہتے ہیں۔ یہ مٹی سمندر کی تہہ میں آہستہ آہستہ بیٹھتی جاتی ہے اور پانی کے بہاؤ اور ندو جزر کے سبب سمندر کی تہہ میں یکساں طور پر پھیل جاتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس مٹی کی تہہ پر اوپر سے اور مٹی آجاتی ہے۔ اس طرح یہ تہہ موٹی ہوتی رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیچے کی تہیں دب کر پتلی ہوتی جاتی ہیں اور ان میں سختی پیدا ہو جاتی ہے اور پتھر کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔

زمین گو دیکھنے میں ٹھوس قسم کی چیز معلوم ہوتی ہے لیکن اس کو اندر اور باہر کہیں بھی قرار نہیں ہے۔ اس کے اندرونی مادے میں ہل چل سی مچی رہتی ہے۔ کبھی اس کی سطح دبی رہتی ہے کبھی اٹھ جاتی ہے۔ ان سطحی حرکات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی سمندر کی سطح بلند ہو کر خشک زمین کو غرق کر کے سمندر بنا دیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج ہم خشک زمین پر کبھی سطح کے اوپر اور کبھی سطح کے نیچے پتھروں کی تہہ پر یہ جہی ہوئی چٹانیں دیکھتے ہیں۔

کن جگہوں میں تیل پایا جاتا ہے ؟

اب سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ خطہ زمین پر کون کون سی ایسی جگہیں ہیں جہاں تیل پایا جاسکتا ہے اور کہاں اس کے موجود ہونے کے امکان نہیں ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ زمین کے ہر حصے میں پٹرول پائے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے، اور اگر کسی حصے میں پٹرول کسی زمانے میں تیار ہوا ہو بھی تو اس کا موجود رہنا کوئی ضروری نہیں ہے، کیوں کہ جب تک اس کے جمع رہنے اور محفوظ رکھنے کا کوئی سامان نہ ہو تیل کا ضائع ہو جانا یقینی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تیل کے پائے جانے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس جگہ مسام دار چٹانیں موجود ہوں، جن میں تیل جمع رہے۔ دوسری ضروری چیز ایک غیر مسام دار چٹان ہے جو مسام دار کے اوپر ہو اور تیل کو محفوظ رکھ سکے۔ اکثر تیل کی سطح کے نیچے سے پانی بڑے دباؤ کے تحت اوپر اٹھنا شروع ہوتا ہے۔ اور تیل کو اپنے آگے دھکیلتا جاتا ہے۔ اگر غیر مسام دار چٹان اس کے اوپر موجود نہ ہو تو تیل اوپر اٹھتے اٹھتے سطح زمین پر آجائے گا اور ضائع ہو جائے گا۔ تیسری ضروری چیز یہ ہے کہ زمین کی اندرونی بناوٹ ایسی ہونی چاہیے کہ تیل دور دور سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جائے۔ ایسا نہ ہو تو تیل کا حاصل کرنا ناممکن ہو جائے۔ اگر تیل موجود ہو لیکن سیکڑوں میل میں پھیلا رہے تو اس کا نکالنا اور حاصل کرنا ناممکن ہو جائے۔ چوتھی اور سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ایسا ماخذ ہونا چاہیے جس سے تیل نکل سکے۔ کیوں کہ جب تک کوئی خطہ ایسا نہ ہو جس میں کسی زمانے میں تیل تیار ہوا ہو جس سے تیل نکل کر موزوں مقامات پر جمع ہو سکے باقی سب چیزوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ جب تک یہ چاروں چیزیں ایک جگہ نہ پائی جائیں تیل

پائے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

زمین کے بہت سے حصے ایسے ہیں جو بڑی سخت آتش چٹانوں سے بنے ہوئے ہیں۔ ایسے خطوں میں تیل کی تلاش بے کار ہے، یہاں تیل پایا نہیں جاسکتا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ سطح زمین کا تقریباً آدھا حصہ اس قسم کی چٹانوں سے بنا ہوا ہے۔ اس لیے جب تیل ڈھونڈنا ہو تو صرف ایسی جگہیں دیکھی جائیں جہاں ریت پتھر، چوٹے کا پتھر، یا ریت یا اسی قسم کی دوسری ایسی تہہ موجود ہو جہاں تیل جمع رہ سکے۔ پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ زمین کے اندر کوئی حصہ ایسا ہے یا نہیں جہاں تیل تیار ہوا ہو۔ ارضیات کا ماہر سطح کے اندر سے نکالی ہوئی مٹی اور پتھر کا امتحان کر کے یہ بتا سکتا ہے۔ اس کے بعد دیکھنا چاہیے کہ زمین کی ایسی بناوٹ ہے یا نہیں کہ اس میں دور دور سے تیل اگر ایک محدود علاقے میں جمع ہو سکے اور مسام دار تہہ کے اوپر ایک غیر مسام دار تہہ بھی موجود ہے یا نہیں۔ یہ سب باتیں موجود ہوں تو تیل کا پایا جانا ضروری ہے۔

زمین کے کسی حصے میں تیل تیار ہو چکتا ہے تو پہلے وہ مٹی کی تہہ میں پھیلا رہتا ہے۔ اس وقت اس کا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن جب مٹی کی تہہ پر زیادہ دباؤ پڑتا ہے تو یہ دب جاتی ہے اور تیل اس سے باہر نکل کر زیادہ مسام دار اور کم دبے والے حصوں میں مثلاً ریت وغیرہ کی تہہ میں چلا جاتا ہے۔ پھر چٹانوں کے دباؤ، پانی کے دباؤ، اندرونی سطح کی تبدیلیوں یا کسی اور سبب سے تیل اپنی جگہ سے حرکت کرنا شروع کرتا ہے اور اس جگہ جمع ہونے لگتا ہے جہاں سے وہ نکل نہیں سکتا۔

ارضیاتی تبدیلیوں اور زمین کی سطحی حرکات کے سبب اس کی تہوں میں شکنیں پڑ جاتی ہیں اور جگہ جگہ تہہ اٹھ کر کوہان اور گنبد نما بن جاتی ہے اور یہی حصے آئندہ تیل کے ماخذ بن جاتے ہیں۔ تیل نیچے سے اوپر اٹھتا ہوا غیر مسام دار سطح تک پہنچ جاتا ہے، اور پھر اس کے نیچے نیچے چلتا چلتا گنبدوں تک پہنچ جاتا ہے۔ نیچے کا پانی اس کو دھکیل کر گنبد کے اندر داخل کر دیتا ہے، کیوں کہ یہ نہ ان کے نیچے ہی آسکتا ہے نہ آڑو بازو سے نکل سکتا ہے۔ گنبد کا لفظ مثال کے طور استعمال کیا گیا ہے۔ تاکہ تہوں کا خم سمجھ میں آجائے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ تیل جن گنبدوں میں مقید ہوتا ہے وہ بھی ہماری عمارتوں کے گنبد جیسے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔

جہاں تیل ہوتا ہے وہاں گیس بھی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن یہ لازمی نہیں ہے کہ جہاں گیس ہو وہاں سے تیل بھی نکلے۔ اکثر جگہ زمین میں سوراخ کرنے سے صرف گیس نکلتی ہے۔ وہاں تیل کا نام بھی نہیں ہوتا۔ گنبد کے اندر گیس، تیل اور پانی اپنی اپنی کثافت کے لحاظ سے جمع ہو جاتے ہیں۔ گیس سب سے ہلکی ہوتی ہے اس لیے اوپر رہتی ہے، اس کے نیچے تیل ہوتا ہے اور سب سے نیچے پانی۔

یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جن جگہوں میں تیل جمع رہتا ہے ان کی حیثیت تالاب کی سی نہیں ہوتی کہ جن میں تیل بھرا ہوا موجود ہو۔ یہ جگہیں دراصل مسام دار چٹانوں یا ریت وغیرہ سے بھری ہوتی ہیں اور انھی میں تیل موجود رہتا ہے۔
(ماخوذ از ”جدید معلومات سائنس“)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) زمین سے نکلنے والے خزانوں میں پٹرولیم کی کیا اہمیت ہے؟
- (ب) پٹرولیم قدیم دریافت ہے، دو حوالے دے کر ثابت کیجیے۔
- (ج) قدیم دور میں پٹرول کس کس طرح استعمال کیا جاتا تھا؟
- (د) روسی چٹانیں کیا ہیں اور یہ کیسے وجود میں آتی ہیں؟
- (ه) موجودہ دور میں پٹرولیم کی کیا اہمیت ہے اور اس کے کیا کیا استعمالات ہیں؟
- (و) پٹرولیم کی تلاش کے لیے کس قسم کا علاقہ موزوں ہوتا ہے؟

سوال نمبر ۲: نشان دہی کیجیے کون سے الفاظ مذکور ہیں اور کون سے مؤنث؟

مسام	چٹان	تہہ	شکں	دریا
سبب	تفصیل	بناوٹ	تالاب	نقوٹ

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) بابل کے قریب تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے:
(الف) زینوفون (ب) مارکوپولو (ج) ہیرودوٹس (د) واسکوڈی گاما
- (۲) دنیا کی تیز ترین مشینیں چلتی ہیں:
(الف) کوئلے سے (ب) بجلی سے (ج) پٹرول سے (د) گیس سے
- (۳) کیمیاوی نقطہ نگاہ سے پٹرولیم چیز ہے:
(الف) سادہ (ب) پیچیدہ (ج) سخت (د) بے کار

(۴) جہاں تیل پایا جاتا ہے وہاں چٹائیں ہوتی ہیں:
(الف) بھر بھری (ب) پتھریلی (ج) نرم (د) مسام دار

(۵) جہاں تیل ہوتا ہے وہاں ضروری نہیں کہ ہوتی ہو:
(الف) مٹی (ب) گیس (ج) چاندی (د) آکسیجن

سوال نمبر ۴: ”توانائی کے اہم ذرائع“ کے عنوان پر مضمون تحریر کیجیے۔



طلبہ اپنے علاقے میں ہونے والے کسی سائنسی سیمینار میں شرکت کریں گے اور اس کی مختصر روداد لکھیں گے۔



سبق کے تناظر میں طلبہ کو سائنس کے مضامین اردو زبان میں پڑھے جانے کی اہمیت و افادیت بتائیے۔

پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی



پیدائش: جون ۱۹۱۶ء آگرہ

وفات: ستمبر ۱۹۹۳ء کراچی

تالیفات: لکھنؤ کا دیستان شاعری، جامع القواعد، آج کا اردو ادب، نظیر اکبر آبادی
اس کا عہد اور شاعری، تاریخ زبان و ادب اردو، بیسویں صدی کا اردو ادب،
رفت و بود (خود نوشت)، اردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ

کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) علمی یا ادبی گفتگو میں ملاحظہ ہو سکیں اور اس کے محاسن کی
تفہیم کر سکیں۔ (۲) مختلف ادبی اصطلاحات پر گفتگو کر سکیں۔ (۳) ادب پارے کا مرکزی خیال، اہم نکات، نتائج، کردار یا
واقعات کی تشریح استثنائی انداز اور ادبی پیرائے میں لکھ سکیں۔ (۴) لغت کو لسانی، قواعد، اشتقاق، مشتقات، وضعی و لفظی
معنی کے حوالوں سے استعمال کر سکیں۔ (۵) کسی علمی مضمون میں استعمال کیے گئے الفاظ و اصطلاحات کو سمجھ سکیں اور
نفس مضمون کی تفہیم کر سکیں۔

ذریعہ تعلیم کے باب میں ہمارے ملک میں گفتگو ہو رہی ہے۔ دنیا کے شاید ہی کسی ملک میں کسی
مسئلے کے تعین نے اتنا وقت لیا ہو اور بد قسمتی یہ ہے کہ ہم اب بھی اتنی مدت کے بعد کسی متفقہ فیصلے پر
نہیں پہنچے۔

جب تک فارسی اس ملک کی سرکاری اور دفتری زبان رہی، یہی ہماری علمی اور ادبی زبان رہی لیکن
اس کی حیثیت ایک اجنبی اور غیر ملکی زبان کی نہ تھی۔ فارسی یہاں لوگوں کے گھروں میں بولی جاتی تھی۔
بعض لوگوں کی مادری یا پدری زبان تھی اور یہاں کے لوگوں کی بھی یہ ثانوی زبان بن گئی تھی اور اتنی عام
ہو گئی تھی کہ لوگ اس میں شعر کہتے تھے۔ دیوان اور مجموعے مرتب کرتے تھے۔ علمی، ادبی اور تاریخی
کتابیں لکھتے تھے۔ جن کو نہ صرف اس ملک میں بلکہ ایران میں بھی ارباب بصیرت سینے سے لگاتے اور
آنکھوں پر رکھتے تھے۔ آخر امیر خسرو، عبدالقادر بیدل، مرزا غالب اور پھر آخر میں اقبال کی فارسی اہل
زبان کے نزدیک بھی ویسی ہی قابل قبول ہے۔ فارسی ہی کیا عربی بھی ہماری علمی زبان تھی اور اس کی
تحصیل کے بغیر ہمارے عالم کا تصور مکمل نہیں ہوتا تھا۔ لیکن فارسی کے اثر و اقتدار نے ایک عرصے تک
اردو کی ترقی کو روک رکھا اور ایک مدت تک یہ زبان صرف روز مرہ کے کاروبار اور معمولی کاموں کے لیے
استعمال ہوتی رہی۔ پہلے پہل صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے اس کی طرف توجہ دی اور اسے برصغیر

ہند و پاکستان میں تبلیغ دین کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا اور پھر اپنی تعلیمات، مریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف میں اختیار کیا۔ رفتہ رفتہ اس نے فارسی کے مقابلے میں آنکھیں کھولیں۔ دکھنی درباروں میں اسے سلاطین اور امرا کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ شعراً اور نثر نگاروں نے اپنے افکار اور خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا، اس میں الفاظ کا سرمایہ بڑھا۔ اسالیب پیدا ہوئے اور تھوڑے دنوں میں یہ فارسی کی جانشین بن گئی فارسی سے اس کی دشمنی نہ تھی۔ اس نے فارسی نے بہت سیکھا، فارسی کے پروں سے پرواز کی۔ فارسی نے اس کی آبیاری کی۔ موضوعات اور اسالیب کے تنوع اور پختگی سے آشنا کرایا اور اس قابل بنادیا کہ یہ اپنے دور کے علمی اور ادبی تقاضوں کو پورا کر سکے۔

آج بھی ہمارے بہت سے نادان دوست کہتے ہیں کہ اگر اس قوم نے انگریزی زبان کا سایہ عاطفت چھوڑا تو یہ قوم یتیم ہو جائے گی، جاہل رہ جائے گی۔ دنیا میں کوئی اس کی بات نہ پوچھے گا۔ بین الاقوامی حلقوں میں اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ انگریزی کو چھوڑ کر یہ قوم ذہنی اعتبار سے مغفل ہو جائے گی۔ علوم و فنون کا جو ذخیرہ انگریزی میں ہے اور اس میں روز بہ روز جو اضافہ ہو رہا ہے یہ قوم اس سے محروم رہ جائے گی۔

ہمارے مجاہد قوم کا ایک طبقہ اور ہے جسے اپنی زبان سے بھی ہم دردی ہے۔ یہ لوگ اصولاً تو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قومی ترقی کے لیے قومی زبان کی ترقی ضروری ہوتی ہے اور ملک میں تعلیم و تدریس کے معیار کو اعلیٰ کرنے کے لیے قومی زبان میں تعلیم ہونی چاہیے۔ لیکن ان کے خیال میں اردو ابھی اس قابل نہیں ہوئی کہ اسے یہ منصب سونپا جائے۔ اس میں علمی اور فنی اصطلاحات کی کمی ہے۔ اس میں سائنسی مضامین کو ادا کرنے کا اسلوب پیدا نہیں ہوا ہے۔ جدید علوم و فنون پر کتابوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ غرض ان کے خیال میں ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اپنی زبان میں تعلیم دینے کے مسئلے کو اٹھایا جائے۔

ان سوالوں کا جواب ایک بار نہیں ہزار بار دیا جا چکا ہے اور ان لوگوں نے دیا ہے جو اس زبان اور اس کے سرمائے سے واقف ہیں۔ ان لوگوں نے دیا ہے جو جدید علوم و فنون سے واقف ہیں اور جنہوں نے اپنی تعلیم انگریزی ہی کے ذریعے سے حاصل کی ہے اور جو اس مسئلے کی قومی اور بین الاقوامی حیثیت کے پہلو پر غور کرنے میں اپنی عمریں گزار چکے ہیں۔ لیکن ہر مرتبہ یہ مسائل اسی طرح اٹھائے جاتے ہیں گویا پہلی مرتبہ ان کا اظہار ہو رہا ہے اور ان کا کوئی جواب ہمارے پاس نہیں۔ میں انھیں چند مفروضہ مسائل اور خطرات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ جن قوموں نے سائنسی میدان میں ترقی کی ہے کیا واقعی ان کی ترقی انگریزی زبان کی مرہونِ منت ہے۔ مثال کے طور پر یورپ میں جرمنی کو یا پھر روس کو یا پھر ایشیا میں جاپان کو لے لیجیے۔ ان ملکوں کی سائنسی ترقی اور صنعتی فروغ کوئی ایسی بات نہیں جس پر کوئی بحث ہو سکے اور ان سب ملکوں نے اپنی اپنی زبان میں سائنس کی تعلیم و تدریس سے یہ ترقی کی ہے اور آج بھی سائنسی لٹریچر جتنا ان زبانوں میں شائع ہوتا ہے انگریزی میں شائع ہونے والے لٹریچر سے مقدار یا نوعیت کسی اعتبار سے کم نہیں ہے۔ تو اگر دنیا کے اور چھوٹے بڑے مختلف ممالک اپنی اپنی زبانوں میں جملہ علوم و فنون اور سائنسی، صنعتی

اور تکنیکی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں تو ہماری زبان میں کیا ایسی بنیادی کم زوری اور خامی ہے جس کی بنا پر یہ ہماری تعلیم اور بالخصوص سائنسی تعلیم کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ہمارے ایک ممتاز سائنس دان نے ایک عجیب

اور جرمنی میں جرمن زبان میں سائنس کی تعلیم ہو سکتی ہے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان زبانوں میں سائنس کی تعلیم ہزار سال سے ہو رہی ہے اور اسی لیے یہ زبانیں سائنس کی تعلیم و تدریس کے لیے مناسب اور موزوں بن چکی ہیں۔ میں سائنس دان نہیں ہوں لیکن زبان اور اس کی تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ضرور ہوں۔ مجھے قطعاً معلوم نہیں کہ آج سے ہزار سال پہلے انگریزی میں کوئی سائنسی لٹریچر پیدا ہوا تھا۔ میرے علم میں تو اس وقت انگریزی زبان میں پندرہ ہزار الفاظ بھی نہ تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنس کی ترقی کا دارومدار اس پر نہیں کہ زبان میں پہلے سے سائنسی تدریس کے لیے الفاظ کا کتنا ذخیرہ موجود ہوتا ہے بلکہ خود سائنس کی ترقی اس ملک کی زبان کے ذخیرے میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ جس چیز کو ہم نے مقدم سمجھ رکھا ہے وہ مقدم نہیں۔ یہی حال جرمن اور فرانسیسی کا ہے۔ روسی زبان اور روس میں سائنس کی ترقی تو اس کے بھی بعد کے دور میں ہوئی۔

دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جو اس باب میں اردو کا مقابلہ کر سکے۔ اس میں نئے الفاظ کے قبول کرنے کی بڑی صلاحیت ہے اور اپنی ساخت اور مزاج کے باعث غیر زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات بھی اس میں بلا تکلف گھل مل جاتے ہیں۔ اس لیے اگر اس کو جدید علوم و فنون کی تعلیم اور تدریس کے لیے اختیار کیا جائے تو یہ اس فرض کو ادا کر سکتی ہے۔ زبان کی ترقی کی جس منزل میں جس قسم کے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے اسی قسم کے الفاظ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ الفاظ پہلے پیدا ہو جائیں اور اُن سے کام بعد میں لیا جائے۔

اس سلسلے میں ایک اور مسئلہ اصطلاحاتِ علمیہ کا اٹھایا جاتا ہے۔ بلاشبہ علمی زبان بڑی حد تک اصطلاحی زبان ہوتی ہے لیکن یہ اصطلاحات علمی ترقی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ جن ملکوں نے سائنسی علوم میں نمایاں ترقی کی ہے ان میں کسی میں یہ نہیں ہوا کہ پہلے سارے علوم کی اصطلاحات بنالی گئی ہوں اور پھر ان علوم پر کتابیں، مضامین یا مقالات لکھے گئے ہوں۔ بلکہ اصطلاحات ان کتابوں، مضامین اور مقالات کے ذریعے سے ہی رائج ہوتی ہیں اور پھر معیاری قرار پاتی ہیں۔ اس لیے ضروری بات یہ ہے کہ لوگ پہلے ان علوم پر کتابیں اور مقالے لکھیں اور اپنی ضرورت کے لیے علمی اصطلاحات اختیار کریں۔ اردو کے لیے علاوہ اُن ہندوستانی اور پاکستانی زبانوں اور بولیوں کے، جن سے اس کا قریبی رشتہ ہے، فارسی اور عربی دو نہایت اہم ماخذ ہیں۔ جن کے عناصر اور اجزا اردو کی ترکیب میں شامل ہیں اور آج بھی اصطلاح سازی میں کام آتے ہیں۔ لیکن یہ خیال کہ پہلے ساری اصطلاحات کا ذخیرہ جمع ہو جائے پھر کتابیں لکھی جائیں تب جا کر اسے ذریعہ تعلیم بنایا جائے بالکل گھوڑے کے آگے گاڑی جوتے کے مترادف ہے۔ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ

ہمارے سائنس کی کتابوں کے مصنفین کتابیں لکھیں اور دیکھیں کہ ان موضوعات پر پہلے جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس میں سے کتنی اصطلاحات موزوں اور مناسب ہیں۔ انھیں اختیار کریں۔ اس طرح خود بہ خود اصطلاحات معیاری بنتی چلی جائیں گی۔ یہ مسئلہ چراغ سے چراغ روشن ہونے کا ہے۔ لیکن بڑی بات یہ ہے کہ پہلا چراغ کون روشن کرتا ہے۔

جو لوگ ایمان داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ قومی زندگی میں قومی زبان کی کیا اہمیت ہوتی ہے انھیں خلوص کے ساتھ اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ کام صرف چند ادارے پورا نہیں کر سکتے، نہ محض حکومت کی اعانت اور سرپرستی ان مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ یہ مسئلہ اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ اسے ایک قومی تحریک کی طرح چلایا جائے۔ اس کے لیے رائے عامہ تیار کی جائے۔ ہمارے اساتذہ، طلبہ، مصنفین، مؤلفین، ناشر، تعلیمی حکام، ہمارے صنعتی اور کاروباری ادارے غرض ہماری قومی زندگی کا شعور رکھنے والا ہر شخص اپنی اپنی جگہ اس کی کامیابی میں حصہ لے۔

(ماخوذ از "ادب و لسانیات")



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) اردو زبان کی ترقی میں پہلے پہل کن لوگوں نے حصہ لیا؟
- (۲) اردو سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں فارسی زبان کا کیا مقام تھا؟
- (۳) فارسی کے اثر و اقتدار نے اردو پر کیا اثرات ڈالے؟
- (۴) اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے سلسلے میں ہمارے مجاہدان قوم کا ایک طبقہ کیا کہتا ہے؟
- (۵) اردو زبان اپنی کون سی خوبی کی بنا پر جدید علوم و فنون کی تدریس کا فریضہ بہ خوبی سرانجام دے سکتی ہے؟
- (۶) علمی اصطلاحات کا رواج کیسے ہوتا ہے؟
- (۷) قومی زبان کے نفاذ کا مسئلہ کس طرح حل ہو سکتا ہے؟
- (۸) اردو میں سائنس کی تعلیم و تدریس سے سائنسی میدان میں ترقی ممکن ہے، اس بیان پر اپنی رائے دیجیے۔

سوال نمبر ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) ہماری علمی زبان تھی:
- (الف) فارسی و عربی (ب) اردو و عربی (ج) اردو و فارسی (د) اردو عربی و فارسی
- (۲) قومی ترقی کے لیے ضروری ہوتی ہے:
- (الف) عوام کی ترقی (ب) قومی زبان کی ترقی
- (ج) علمی و ادبی ترقی (د) سرمایہ داروں کی ترقی
- (۳) خیالات اور افکار کے اظہار کا ذریعہ ہے:
- (الف) زبان (ب) علم (ج) تعلیم و تدریس (د) سائنس
- (۴) اردو نے پروں سے پرواز کی:
- (الف) فارسی کے (ب) عربی کے (ج) ہندی کے (د) انگریزی کے
- (۵) اردو اور فارسی میں ہے:
- (الف) محبت (ب) یگانگت (ج) اجنبیت (د) یک جہتی

سوال نمبر ۳: اس سبق کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

تنوع	اعانت	اصطلاح	سایہ عاطفت	ارباب بصیرت	مفروضہ
------	-------	--------	------------	-------------	--------

سوال نمبر ۵: ”قومی زندگی میں قومی زبان کی اہمیت“ کے عنوان پر مضمون تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ اس مضمون کے اہم نکات ترتیب وار تحریر کریں گے۔
- ✦ طلبہ کوئی سائنسی مضمون تلاش کر کے پڑھیں گے اور ہم جماعتوں کے سامنے اس کا خلاصہ زبانی پیش کریں گے۔
- ✦ طلبہ گروہی سرگرمی کے طور پر مختلف لغات کے استعمال سے آگاہی حاصل کریں گے۔

برائے اساتذہ

- ✦ طلبہ کی مذکورہ سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے اور حسب ضرورت رہ نمائی کیجیے۔
- ✦ اردو میں سائنسی مضمون تلاش کرنے میں طلبہ کی مدد کیجیے۔



ڈاکٹر الیاس عشقی (محمد الیاس خان یوسف زئی)

پیدائش: ۲ - جون ۱۹۲۲ء بے پور

وفات: ۱۳ - جنوری ۲۰۰۷ء ریاض (سعودی عرب)

تالیفات: شعر آشوب (فارسی شعری مجموعہ)، دوہا ہزاری، گنبد بے در (اردو شعری مجموعہ)، آوازِ لطیف (نثری تحقیقات و تخلیقات)

سندھی شاعری کے تراجم

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) نثر میں رموزِ اوقاف کا درست استعمال کر سکیں۔ (۲) کسی ادب پارے کے حسن و قبح کا اندازہ کر سکیں۔ (۳) تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (کہانی، افسانہ) کا مناسب انتخاب کر کے پیش کر سکیں۔

ترجمہ ایک دشوار فن سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے بڑے بڑے مترجم اپنے کام سے خوف زدہ رہے ہیں۔ اس خوف کے کئی ڈراؤنے پہلو ہیں۔ جتنا خوف اتنے وسوسے۔ ہزاروں باتیں سننے میں آتی ہیں۔ مثلاً: یہ کہ مترجم کے لیے اس پائے کے علم اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کتاب یا فن پارے کے مصنف کا ہو جس کا ترجمہ کرنا مقصود ہو۔ مصنف تو جس زبان میں لکھتا ہے وہ چاہے اس زبان کا ماہر ہو یا نہ ہو لیکن مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں کا ماہر ہو۔ ایک وہ جس سے ترجمہ کرنا مقصود ہو اور دوسری وہ جس میں ترجمہ کرنا ہو۔ مترجم کو اصل مصنف کے انداز میں اور لسانی خصوصیات کے علاوہ اس کے تعلیمی معیار، اس کے عام حالات، زندگی کے بارے میں اس کے نظریات اور عصری تقاضوں سے جس قدر واقفیت ہوگی اس کے لیے اتنا ہی بہتر ہے یعنی یہ باتیں اس کے بہتر مترجم ہونے میں مُمدد و معاون ثابت ہوتی ہیں یہ اور ایسی بہت سی باتیں ترجمے کے کام کو دشوار بناتی ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں نصف صداقتیں ہیں۔ دنیا کے بہترین مترجم نہ ان شرائط کو پورا کرتے ہیں اور نہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ بالفرض محال اگر یہ سب باتیں کسی ایک شخص میں جمع بھی ہو جائیں تو یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ ضرور ایک اچھا مترجم بھی ثابت ہوگا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ترجمہ کیسا ہی تخلیقی کیوں نہ ہو آخر ترجمہ ہی ہوتا ہے۔

سندھی شاعری کے منظوم ترجموں کا سلسلہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کے ترجمے سے شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اب تک جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ شاہ کے رسالے کا اولین منظوم ترجمہ بالا کے مولوی ہدایت اللہ مرحوم نے فارسی زبان میں کیا تھا۔ وہ اس ترجمے کے مسودے کو ہر وقت اپنے

ساتھ رکھتے تھے۔ بد قسمتی سے کراچی جاتے ہوئے یہ ترجمہ ٹھٹھے کی ایک مسجد میں یا وہ خود بھول گئے یا کسی نے اسے چُرالیا۔ اس ترجمے میں سے اب صرف ”مُرسّی آبری“ میں سے صرف ایک یا دو داستانیں نامکمل صورت میں ملتی ہیں اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ کم سواد نقل نویس نے بعض الفاظ اس طرح لکھ دیے ہیں کہ وہ پڑھے نہیں جاتے یا پھر اس میں سے بعض اشعار غلط نقل ہوئے ہیں جن کا درست کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس ترجمے کو دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مولوی ہدایت اللہ عربی اور فارسی زبانوں سے بہ خوبی واقف تھے۔ اور انھوں نے شاہ کے ترجمے کا ایک گُر پالیا تھا۔ مُترجم کو شاہ اور رومی کے کلام میں جو مُماثلت نظر آئی، اس کے پیش نظر انھوں نے اپنے ترجمے کی زبان اور بیان میں مثنوی معنوی (مولانا روم کی مثنوی) کی پیروی کی اور اس انداز کا ترجمہ انھوں نے بڑی کام یابی سے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ترجمہ اصل سے وفادار بھی ہے اور خوب صورت بھی کیوں کہ رومی اور شاہ کے فکر و فن میں کافی مشترکات نظر آتے ہیں۔ چنانچہ فارسی جاننے والوں کے لیے اس ترجمے میں مکمل ابلاغ کے ساتھ سرمایہ کیف بھی موجود ہے۔ اب تک شاہ کے کلام کے جتنے ترجمے ہوئے ہیں ان میں اسی ترجمے کا معیار بلند ہے۔ اس ترجمے کے گم ہو جانے سے لطیفیات کے ذخیرے میں ناقابلِ تلافی نقصان ہی نہیں بلکہ محرومی کا احساس بھی ہوتا ہے۔

اس ترجمے کے بعد انگریزی زبان میں ڈاکٹر سورلے کا ترجمہ سامنے آتا ہے۔ سورلے کی کتاب ”شاہ عبداللطیف“ آف بھٹ“ اب تک شاہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ مُحققانہ، معتبر اور بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کتاب کے لیے سورلے کو شاہ کے کلام کا ترجمہ بھی کرنا پڑا اور شاہ کے کلام کا مُعتد بہ حصّہ انگریزی دانوں تک پہنچ گیا۔ یہ ترجمہ ترجمانی کی حد تک بہت کام یاب ہے۔ سورلے کا ترجمہ آزاد ہے اور یورپ میں مشرقی ادب سے دل چسپی رکھنے والے قارئین کو نظر میں رکھ کر کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مُستشرقین اپنی ساری ذہنی، کسبی، علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کے باوجود مشرق کے تخلیقی ذہن، فنی روایات اور زبانوں سے اہل مشرق کی طرح واقفیت نہیں رکھتے۔ اس لیے ان کے تراجم اکثر ترجمانی کی حد سے آگے نہیں بڑھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ پائے کے ترجمے کم دست یاب ہوتے ہیں۔

انگریزی زبان میں شاہ کے رسالے کے منظوم ترجمے زیادہ تر منتخب اشعار تک ہیں۔ کہیں یہ تعداد چند ابیات تک محدود رہی ہے تو کہیں سیکڑوں ابیات کا ترجمہ بھی ہوا ہے۔ اس قسم کے ترجموں میں تیرتھ داس کا ترجمہ جو اگرچہ تعدادِ ابیات کے اعتبار سے کم ہے لیکن سادہ و رواں زبان میں کیا گیا ہے۔ تیرتھ نے زیادہ توجّہ سچل سرمست کے کلام پر کی ہے۔ وہ ان کے فارسی کلام کا دلِ دادہ تھا اور اس کے ترجموں میں زیادہ تعداد سچل کی فارسی مثنویوں کے اقتباسات کی ہے تاہم شاہ کے کلام کا جس قدر ترجمہ کیا گیا ہے وہ ترجمانی کی اچھی مثال ہے۔ مسز ایلسا قاضی اور جی الانا کے سوا شاہ کے تمام منظوم ترجمے ضرورت کے تحت کیے گئے تھے۔ سندھ میں کیے جانے والے انگریزی ترجموں میں تین قابلِ ذکر ہیں۔ پہلا ترجمہ پروفیسر اکرم انصاری کا ہے جو اُن کے طویل غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اس لیے عالمانہ اور فلسفیانہ انداز لیے ہوئے ہے اور اس سے

ایک عام قاری لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ دوسرا ترجمہ جی الانا صاحب کا ہے جو کچھ دن ہوئے بڑی آب و تاب سے شائع ہوا ہے۔ اس سے بھی شاہ کے خیالات کا ابلاغ ہو جاتا ہے۔ تیسرا ترجمہ مسز ایلسا قاضی کا کیا ہوا ہے جو مرحوم علامہ آئی آئی قاضی کی شریک حیات اور ایک جرمن تھیں اور جنہیں مستشرقین میں شامل کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مرحومہ بڑی خوبیوں کی مالک تھیں۔ انگریزی زبان میں شاعری کرتی تھیں۔ اگرچہ انگریزی ان کی مادری زبان نہ تھی لیکن اس پر انہیں مکمل دست رس حاصل تھی۔ پاکستان میں اپنے طویل قیام کی وجہ سے انہوں نے سندھ کے ماحول، روایات اور ثقافت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں علامہ قاضی کی ہم راہی اور ہم سری حاصل تھی۔ انہوں نے ایک شاعر کی طرح شاہ کی شاعری کو سمجھا اور محسوس کیا۔ اس حد تک کہ اسے اپنے اوپر طاری کر لیا جس کا بیان اے کے بروہی صاحب نے ان کے ترجموں کے مجموعے پر اپنے فاضلانہ مقدمے میں کیا ہے۔ اس ترجمے میں انوکھی بات یہ ہے کہ رد م وزن ہی نہیں بلکہ قافیے کے استعمال کے سلسلے میں بھی اصل کی پیروی کی گئی ہے۔ اس وجہ سے بلاشبہ یہ ترجمہ انگریزی ترجموں کی تاریخ میں ہمیشہ خوب صورت، بلند پایہ اور معیاری سمجھا جائے گا۔ اے کے بروہی صاحب کے نزدیک تو یہ ترجمہ اس عہد کا بہترین ترجمہ ہے۔ یقیناً اس کی یہ خصوصیت کہ اس کا وزن سندھی بیت کے وزن سے قریب ہے اور اس میں قافیے بھی سندھی بیت کی پیروی میں ہمیشہ مصرعے کے آخر ہی میں نہیں بلکہ کبھی کبھی مصرعِ اوّل اور مصرعِ آخر کے درمیان میں بھی لائے گئے ہیں اور یہ مغربی شاعری کی روایت نہیں ہے۔ یہ ترجمہ اس اعتبار سے منفرد ہے۔

یورپ کی دوسری زبانوں میں شاہ کے کلام کے ترجمے شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں۔ ان میں پروفیسر ڈاکٹر این مری شمل کا جرمن ترجمہ قابل ذکر ہے۔

اردو زبان میں شاہ کے کلام کے ترجمے پچھلے پینتیس سال سے کیے جا رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ان میں سے بیش تر ترجمے منظوم ہیں مگر ان سب مترجمین میں شیخ ایاز کی کوشش قابل قدر اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ انہوں نے شاہ کے مکمل رسالے کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے جو دو بار طبع ہو چکا ہے۔ اس ترجمے کی نمایاں خوبی یا کم زوری یہ ہے کہ یہ اردو شاعری کے عام انداز اور تغزل میں کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ ترجمہ خوش آئند ہے۔ ایاز کا ترجمہ اہل ذوق کو پسند ہے۔ ویسے بھی یہ ایک آزاد ترجمہ ہے۔ اردو زبان میں جو دوسرے ترجمے ہوئے ہیں۔ ان میں رشید احمد لاشاری مرحوم کے ترجمے کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ مرحوم نے پہلے ایاز اور آفاق صدیقی کے انداز میں ترجمے کا آغاز کیا اور مختلف بحروں میں بندوں کی مختلف ترتیبوں میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک پروگرام کے لیے میں نے چند سندھی بیتوں کا ترجمہ اردو بیتوں کی صورت میں کیا۔ اس صنف کی اردو شکل لاشاری مرحوم کو پسند آئی اور انہوں نے سر کلیان اور ایمن کلیان کی چند داستانوں کا انتخاب کر کے اردو بیتوں کی صورت میں ان کا ترجمہ کیا جو بعد میں میں ایک مختصر کتاب کی صورت میں چھپ گیا تھا۔ اسی زمانے میں بعض دوستوں کے اصرار پر راقم الحروف نے بھی

پچاس ساٹھ بیٹوں کا ترجمہ اسی انداز میں کیا ہے، جسے دوستوں نے پسند کیا اور ہمت افزائی بھی کی۔ اردو میں شاہ لطیف کے کلام کے اکثر ترجمے قابل مطالعہ ہیں۔ سندھی موسیقی کا کمال کیسے کہ اردو میں بیٹوں کے مقابلے میں شاہ کی وائیوں کا ترجمہ زیادہ ہوا ہے اور جو تھوڑا بہت تعارف شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کا اردو داں طبقے سے ہوا ہے وہ انھیں ترجموں کی بہ دولت ہے۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ شاہ لطیف، کچل سرمست، عبدالقادر بیدل اور شیخ ایاز آج قارئین کے لیے نئے نام نہیں ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ اردو کے ایسے شعرا کا کارنامہ ہے جن میں سے اکثر سندھی زبان سے گماگمہ واقف نہیں ہیں۔ اردو تراجم کی بہترین مثال وہ ترجمے ہیں جو کبھی کبھی شیخ ایاز نے شاہ لطیف، کچل سرمست اور خود اپنے کلام کے اردو نظم میں کیے ہیں۔ آفاق صدیقی نے پچھلے چوبیس سال میں سندھی زبان کے متعدد کلاسیکی اور جدید شعرا کے فن پاروں کے کامیاب ترجمے کیے ہیں چوں کہ یہ ترجمے ایک طویل مدت میں اطمینان اور توجہ سے کیے گئے ہیں اس لیے ان میں سے اکثر ترجمے معیاری ہیں۔ دوسرے شعرا میں جنھوں نے وقتاً فوقتاً شاہ کے کلام کے منظوم ترجمے کیے ہیں۔ رئیس امرہوی، ابن انشاء، آذر نایاب، حمیت علی شاعر، حفیظ ہوشیارپوری، لطف اللہ بدوی، جمیل نقوی اور عاصمہ حسین قابل ذکر ہیں۔

شاہ کے علاوہ کلاسیکل شاعری میں کچل سرمست، بیدل، گرھوڑی، شاہ عبدالکریم، شاہ محمد زمان، لواری شریف والے اور دوسرے شعرا کے ترجمے اردو زبان میں کافی تعداد میں ہوتے رہے ہیں۔ جن لوگوں کے پورے کلام کا ترجمہ ہو چکا ہے ان میں شاہ لطیف کے علاوہ شاہ محمد زمان، لواری کا نام خاص ہے، جن کے ابیات کا ترجمہ فارسی نظم میں نیاز ہالائی صاحب نے کیا ہے اور اردو میں یہ سعادت پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام کے حصے میں آئی ہے۔ یہ دونوں ترجمے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سندھی کا کوئی معروف کلاسیکی اور جدید شاعر ایسا نہ ہوگا جس کے کلام کا کچھ نہ کچھ حصہ اردو میں منتقل نہ ہوا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض کے کلام کا زیادہ حصہ اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے اور بعض کا کم۔ لیکن کیا یہ کم ہے کہ ترجمے کا یہ کام برابر ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی ہو رہا ہے۔ کتابی صورت میں چھپنے والے ترجموں میں شیخ ایاز کے منتخب کلام کا ترجمہ ”حلقہ مری زنجیر کا“ جسے اردو کی مشہور شاعرہ فہمیدہ ریاض نے منظوم کیا ہے۔ آفاق صدیقی غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے سندھی شعرا کے کلام کے منظوم ترجمے کا آغاز کیا تھا، جسے بعد میں منظر ایوبی، آذر نایاب، احسن حمیدی، حمیت علی شاعر اور محسن بھوپالی وغیرہ نے آگے بڑھایا۔ جدید سندھی شعرا کے کلام کو اردو میں منتقل کرنے کے سلسلے میں راقم الحروف کی ناپیژد کوششوں کو بھی دخل رہا ہے، ہمیں (۲۳) جدید شعرا کی ڈھائی سو کے قریب منتخب نظموں کا ایک منظوم ترجمہ ”موج موج مہراں“ کے نام سے انجمن ترقی اردو نے شائع کیا تھا۔

(بقیہ مقالہ دیکھیں)





سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) فن ترجمہ نگاری کسے کہتے ہیں؟
- (۲) اچھے مترجم میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں؟
- (۳) سندھی زبان کے منظوم ترجموں کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟
- (۴) ”شاہ جو رسالو“ کا اولین منظوم ترجمہ کس نے کیا؟
- (۵) مولانا رومی کون تھے اور شاہ لطیف سے ان کا کیا تعلق تھا؟
- (۶) شاہ کے کلام کا جو ترجمہ مسز ایلسا قاضی نے کیا وہ کیوں منفرد ہے؟

سوال نمبر ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) مترجم کو عبور ہونا چاہیے:
- (الف) زبانوں پر (ب) عصری تقاضوں پر (ج) حالات پر (د) نظریات پر
- (۲) شاہ کے مکمل رسالے کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے:
- (الف) شیخ یاز نے (ب) رشید احمد لاشاری نے (ج) ڈاکٹر نجم الاسلام نے (د) فہمیدہ ریاض نے
- (۳) جرمن ترجمہ قابل ذکر ہے:
- (الف) ایلسا قاضی کا (ب) این مری شمل کا (ج) جی الانا کا (د) اکرم انصاری کا
- (۴) معیاری ترجمہ کرنے کے لیے واقفیت ضروری ہے:
- (الف) زبان اور ادبیات سے (ب) زبانی اور فنی روایات سے
- (ج) ادبی فکر اور فلسفے سے (د) ادبی ذوق اور مطالعے سے
- (۵) شاہ محمد زمان لواری کے ابیات کا اردو ترجمہ کیا ہے:
- (الف) نیاز ہمایونی نے (ب) ڈاکٹر نجم السلام نے
- (ج) ابن انشانے (د) حفیظ ہوشیار پوری نے

واوین (”) : واوین وہ علامت ہے جو کسی تحریر کا اقتباس پیش کرتے وقت یا کسی کا قول پیش کرتے وقت لگائی جاتی ہے۔ مثلاً : ”اپنا خیال رکھنا راہی، جلد ملاقات ہوگی۔“ فاروق نے کہا۔
 کسی کتاب، باب، کہانی، مضمون وغیرہ کا نام لکھتے ہوئے یا کسی لفظ کو واضح کرنے کے لیے بھی واوین کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً : کتاب ”شاہ عبداللطیف آف بھٹ“ ڈاکٹر سورلے نے تحریر کی۔

سوال نمبر ۳: دیے گئے پیراگراف میں واؤن کا استعمال کیجیے:

امتیاز صاحب نے ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب توبۃ النصوح اور ناصر کاظمی کی برگ نے لاکر اپنے طلبہ کو پڑھنے کے لیے دی۔ سرور کو برگ نے پسند آئی۔

سرگرمیاں

- طلبہ سبق میں مذکورہ کوئی بھی دو ترجمہ شدہ کتب تلاش کر کے کمرۂ جماعت میں پیش کریں گے۔
- طلبہ اپنی اپنی پسند کی کوئی کتاب کمرۂ جماعت میں لاکر اُس میں سے پسندیدہ حصہ ساتھیوں کو سنائیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو تراجم کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔
- ادبی کتب کے انتخاب میں طلبہ کی مدد کیجیے۔



منشی پریم چند (دھن پت رائے)

پیدائش: ۱۸۸۰ء بنارس (ہندوستان)

وفات: ۱۹۳۶ء وارانسی (ہندوستان)

تسلیف: سوز و وطن، زادِ راہ، واردات، آخری تھک، پریم چالیسی، فردوسِ خیال، خواب و خیال (افسانے)، بیوہ (ڈراما)

زیور کا ڈبّا

حاصلاتِ تعلّم

- ۱۔ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) اصنافِ نثر کی تعریف کر سکیں اور ان میں امتیاز کر سکیں۔
- (۲) ذاتی واقعات و مشاہدات تحریر کر سکیں۔ (۳) جماعت میں لکچروں کو سمجھ کر ان کے چیدہ چیدہ نکات ڈائری میں نوٹ کر سکیں۔
- (۴) مختلف اسالیب کی تحریریں مرتب کر کے پیش کر سکیں۔

بی۔ اے پاس کرنے کے بعد چندر پرکاش کو ایک ٹیوشن کرنے کے سوا کچھ نہ سوجھا۔ ان کی ماں پہلے ہی مر چکی تھی۔ اسی سال والد بھی چل بسے، اور پرکاش زندگی کے جو شیریں خواب دیکھا کرتا تھا، وہ مٹی میں مل گئے۔ والد اعلیٰ عہدے پر تھے۔ ان کی وساطت سے چندر پرکاش کو کوئی اچھی جگہ ملنے کی پوری امید تھی مگر وہ سب منصوبے دھرے رہ گئے اور اب گزر اوقات کے لیے صرف تیس روپے ماہ وار کی ٹیوشن ہی رہ گئی۔ والد نے کوئی جائیداد نہ چھوڑی۔ بیوی بھی ملی تو تعلیم یافتہ، شوقین، زبان کی طرار، جسے موٹا کھانے اور موٹا پہننے کی نسبت مرجانا قبول تھا۔ چندر پرکاش کو تیس کی نوکری کرتے شرم آتی تھی لیکن ٹھاکر صاحب نے رہنے کے لیے مکان دے کر ان کے آنسو پونچھ دیے۔ یہ مکان ٹھاکر صاحب کے مکان سے بالکل ملا ہوا تھا، پختہ، ہوا دار، صاف ستھرا، اور ضروری سامان سے آراستہ۔ ایسا مکان بیس روپے ماہ وار سے کم میں نہ مل سکتا تھا۔ کام صرف دو گھنٹے کا تھا۔ لڑکا تو لگ بھگ انھی کی عمر کا تھا مگر بڑا کُند ذہن، کام چور۔ انھی نویں درجے پر پڑھتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ٹھاکر اور ٹھکرائن دونوں پرکاش کی بڑی عزت کرتے تھے بلکہ اپنا ہی لڑکا سمجھتے تھے۔ گویا ملازم نہیں بلکہ گھر کا آدمی تھا اور گھر کے ہر ایک معاملے میں اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔

شام کا وقت تھا، پرکاش نے اپنے شاگرد، ویراندر کو پڑھا کر چلنے کے لیے چھڑی اٹھائی تو ٹھکرائن نے کہا: ”ابھی نہ جاؤ بیٹا، ذرا میرے ساتھ آؤ، تم سے کچھ کہنا ہے۔“ پرکاش نے دل میں سوچا، وہ کیا بات ہے جو ویراندر کے سامنے نہیں کہی جاسکتی۔ پرکاش کو علاحدہ لے جا کر اُداویہ نے کہا: ”تمہاری کیا صلاح ہے،

ویرو کا بیاہ کردوں، ایک بہت اچھے گھر کا پیغام آیا ہے۔“

پرکاش نے مسکرا کر کہا: ”یہ تو ویرو بابو ہی سے پوچھیے۔“

”نہیں میں تم سے پوچھتی ہوں۔“

”جیسا آپ مناسب خیال فرمائیں۔“

”تو کر ڈالوں؟ مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ لڑکا کہیں بہک نہ جائے، پھر پچھتانا پڑے گا۔“

”میرے رہتے ہوئے تو آپ اس کی فکر نہ کریں۔ ہاں! مرضی ہو تو کر ڈالیے، کوئی ہرج بھی نہیں ہے۔“

”سب تیاریاں تمہیں کرنا پڑیں گی یہ سمجھ لو۔“

”تو میں کب انکار کرتا ہوں۔“

بات پگنی ہو گئی اور شادی کا سامان ہونے لگا۔ ٹھاکر صاحب ان اصحاب میں سے تھے جنہیں اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہوتا۔ ان کی نگاہ میں پرکاش کی ڈگری اپنے ساٹھ سالہ تجربے سے زیادہ قیمتی تھی۔ شادی کا سارا انتظام پرکاش کے ہاتھوں میں تھا۔ دس بارہ ہزار روپے خرچ کرنے کا اختیار کچھ تھوڑی عزت کی بات نہیں تھی۔ دیکھتے دیکھتے ایک خستہ حال نوجوان ذمے دار مینیجر بن بیٹھا ہے۔ کہیں بڑاڑ اسے سلام کرنے آیا ہے۔ کہیں محلے کا بنیا گھیرے ہوئے ہے۔ کہیں گیس اور شامیانے والا خوشامد کر رہا ہے۔ وہ چاہتا تو دو چار سو روپے آسانی سے اڑا سکتا تھا۔ اتنا کمینہ نہ تھا۔ پھر اس کے ساتھ دغا کرے جس نے سب کچھ اسی پر چھوڑ دیا ہو۔ مگر جس دن اس نے پانچ ہزار کے زیورات خریدے اس کے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا۔

گھر آکر چمپا سے بولا: ”ہم تو یہاں روٹیوں کے محتاج ہیں اور دنیا میں ایسے ایسے آدمی پڑے ہیں جو ہزاروں لاکھوں روپے کے زیورات بنوا ڈالتے ہیں۔ ٹھاکر صاحب نے آج بہو کے چڑھاوے کے لیے پانچ ہزار کے زیور خریدے۔ ایسی ایسی چیزیں کہ دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ سچ کہتا ہوں کہ بعض پر تو آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی۔“

چمپا حاسدہ لہجے میں بولی: ”اونہہ! ہمیں کیا کرنا ہے، جنہیں ایشور نے دیا ہے وہ پہنیں۔ یہاں تو رو رو کر مرنے کو پیدا ہوئے ہیں۔“

چندر پرکاش بولا: ”یہی لوگ مزے اڑاتے ہیں۔ باپ دادا چھوڑ گئے ہیں مزے سے کھاتے اور چین کرتے ہیں۔“

چمپا نے کہا ”میں تو اسی سوچ میں ہوں کہ ٹھکرائن کے یہاں شادی میں کیسے جاؤں گی۔ سوچتی ہوں بیمار پڑ جاتی

تو جان بچتی۔“ یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

چندر پرکاش: ”یہ مصیبت کے دن ہمیشہ نہ رہیں گے۔ زندہ رہا تو ایک دن سر سے پاؤں تک زیور سے لدی ہوگی۔“

چمپا مسکرا کر بولی: ”چلو ایسی من کی مٹھائی میں نہیں کھاتی، گزر ہو جائے۔ یہی بہت ہے۔“

رات کو دونوں کھانا کھا کر سوئے تو پرکاش نے پھر زیوروں کا ذکر چھیڑا۔ زیور اس کی آنکھوں میں بے ہوئے تھے، ”اس شہر میں ایسے بڑھیا زیور بنتے ہیں، مجھے اس کی اُمید نہ تھی۔“

چمپا نے کہا: ”کوئی اور بات کرو۔“

”ایسی چیزیں تم پہنو تو رانی معلوم ہونے لگو۔“

”زیوروں سے کیا خوب صورتی معلوم ہوتی ہے۔“

رات کے بارہ بج گئے ہیں۔ پھر بھی پرکاش کو نیند نہیں آتی۔ بار بار وہی چمکیے زیور آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ کچھ بادل گھر آئے ہیں اور بار بار بجلی چمک اٹھتی ہے۔ یکایک پرکاش چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر چھت پر آیا تھا۔ ٹھاکر صاحب کی چھت اس چھت سے ملی ہوئی تھی۔ بیچ میں ایک پانچ فٹ اونچی دیوار تھی۔ وہ دیوار پر چڑھ کر ٹھاکر صاحب کی چھت پر آہستہ سے اتر گیا۔ گھر میں بالکل سناٹا تھا۔

دھوپ نکل آئی تھی۔ پرکاش ابھی سو رہا تھا کہ چمپا نے اسے جگا کر کہا: ”بڑا غضب ہو گیا۔ رات کو ٹھاکر صاحب کے گھر میں چوری ہو گئی۔ چور زیوروں کا ڈبا اٹھا کر لے گئے۔“

پرکاش نے پڑے پڑے پوچھا: ”کسی نے پکڑا نہیں چور کو۔“

”کسی کو خبر بھی نہیں، وہی ڈبا لے گئے جس میں شادی کے زیور رکھے تھے۔ نہ جانے کیسے چابی اڑالی۔ اور انھیں کیسے معلوم ہوا کہ اس صندوق میں ڈبا رکھا ہے۔“

”نوکر دوں کی کارستانی ہوگی۔ باہر کے آدمی کا یہ کام نہیں ہے۔“

”نوکر تو ان کے تینوں پرانے ہیں۔“

”نیت بدلتے کیا دیر لگتی ہے، آج موقع دیکھا، اڑالے گئے۔“

”تم جاکر ان کو تسلی دو ٹھکرائیں بے چاری رو رہی تھیں۔ تمہارا نام لے کر کہتی تھیں: ”بے چارا مہینوں ان زیوروں کے لیے دوڑا۔ ایک ایک چیز اپنے سامنے بنوائی اور چور مونڈی کاٹنے اس کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔“ پرکاش جھٹ پٹ اٹھ بیٹھا اور گھبرایا ہوا سا جاکر ٹھکرائیں سے بولا: ”یہ تو بڑا غضب ہو گیا، ماما جی! مجھے تو ابھی ابھی چمپا نے بتلایا۔“

ٹھاکر صاحب سر پر ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھے تھے، بولے: ”کہیں سینڈھ نہیں، کوئی تالا نہیں ٹوٹا، کسی دروازے کی چول نہیں اتری، سمجھ نہیں آتا چور آیا کدھر سے؟“

ٹھکرائیں نے رو کر کہا: ”میں تو لٹ گئی بھیا، بیاہ سر پر ہے، کیا ہو گا بھگوان۔ تم نے کتنی دوڑ دھوپ کی تھی، تب کہیں جاکر چیزیں تیار ہو کر آئی تھیں۔“

پرکاش نے ٹھاکر صاحب کے کان میں کہا: ”مجھے تو کسی نوکر کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔“

ٹھکرائیں نے مخالفت کی: ”ارے نہیں بھیا! نوکروں میں کوئی نہیں۔ دس دس ہزار روپے یوں ہی اوپر رکھے رہتے ہیں۔ کبھی ایک پائی کا نقصان نہیں ہوا۔“

ٹھاکر صاحب نے ناک سکوڑ کر کہا: ”تم کیا جانو، آدمی کا دل کتنی جلدی بدل جاتا ہے۔ جس نے ابھی تک چوری نہیں کی وہ چوری نہیں کرے گا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ میں پولیس میں رپورٹ کروں گا اور ایک ایک نوکر کی تلاشی کراؤں گا۔ مال اڑا دیا ہو گا۔ جب پولیس کے جوتے پڑیں گے تو آپ اقبال کریں گے۔“

پرکاش نے پولیس کا گھر میں آنا خطرناک سمجھا۔ کہیں ان کے گھر کی تلاشی لیں تو ستم ہی ہو جائے گا۔ بولے: ”پولیس میں رپورٹ کرنا اور تحقیقات کرنا بالکل بے فائدہ ہے۔“

ٹھاکر صاحب نے منہ بنا کر کہا: ”تم بھی کیا بچوں کی سی بات کر رہے ہو پرکاش بابو! بھلا چوری کرنے والا خود بہ خود اقبال کر لے گا! ہاں تم زدوکوب بھی نہیں کر سکتے! پولیس میں رپورٹ کرنا مجھے بھی فضول معلوم ہوتا ہے، مال چلا گیا، اب کیا ملے گا۔“

پرکاش: ”لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ آپ بیٹھ رہے لیکن میں بیٹھنے والا نہیں۔ میں انھیں نوکروں کے سامنے چور کا نام نکلاؤں گا۔“

ٹھکرائیں: ”نوکروں پر مجھے پورا یقین ہے۔ کسی کا نام بھی نکل آئے تو مجھے یہی خیال رہے گا کہ یہ کسی باہر کے آدمی کا کام ہے۔ چاہے جدھر سے آیا ہو پر چور آیا باہر سے۔“

ٹھاکر: ”ہاں ذرا اپنے کوٹھے پر دیکھو شاید کچھ نشان ملے۔ کل دروازہ تو کھلا ہوا نہیں رہ گیا؟“

پرکاش کا دل دھڑکنے لگا، بولا: ”میں تو دس بجے دروازہ بند کر لیتا ہوں۔ ہاں کوئی پہلے سے موقع پا کر کوٹھے پر چلا گیا ہو اور وہاں چھپا بیٹھا رہا ہو تو دوسری بات ہے۔“ جہاں پرکاش کا پاؤں پڑا تھا، وہاں کا چونا لگ جانے سے چھت پر پاؤں کا نشان پڑ گیا تھا۔ پرکاش کی چھت پر جا کر منڈیر کی دوسری طرف دیکھا تو ویسے ہی نشان وہاں بھی دکھائی دیے۔ ٹھاکر صاحب سر جھکائے کھڑے تھے۔ لحاظ کے مارے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ پرکاش نے ان کے دل کی بات کھول دی: ”اب تو کوئی شک ہی نہیں رہا۔“

ٹھاکر صاحب نے کہا: ”ہاں میں بھی یہی سمجھتا ہوں، لیکن اتنا پتلا لگ جانے سے کیا۔ مال تو جانا تھا وہ گیا۔ اب چلو آرام سے بیٹھو۔“

پرکاش: ”میں آج ہی گھر چھوڑ دوں گا۔“ ٹھاکر: ”کیوں ہمیں تمہارا۔۔۔“

پرکاش: ”آپ نہ کہیں لیکن میں سمجھتا ہوں، میرے سر پر بہت بڑی جواب دہی آگئی، میرا دروازہ تو دس بجے تک کھلا ہی رہتا ہے۔ چور نے راستہ دیکھ لیا ہے۔ ممکن ہے دو چار روز میں پھر آگھے۔ گھر میں اکیلی ایک عورت ہے، سارے گھر کی نگرانی نہیں کر سکتی۔ ادھر وہ تو باورچی خانے میں بیٹھی ہے ادھر کوئی چپکے سے اوپر بڑھ گیا تو ذرا بھی آہٹ نہیں مل سکتی۔ میں گھوم گھام کر کبھی نو بجے آیا، کبھی دس بجے اور شادی کے دنوں میں دیر ہوتی رہے گی۔ ادھر کا راستہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔ میں تو سمجھتا ہوں چوری کی ساری ذمے داری میرے سر ہے۔“

ٹھکرائن ڈیس: ”تم چلے جاؤ گے، بھیا! تب تو گھر اور پھاڑ کھائے گا۔“

پرکاش: ”کچھ بھی ہو ماما جی۔ مجھے بہت جلد گھر چھوڑ دینا پڑے گا۔ میری غفلت سے چوری ہوگئی۔ اس کا مجھے خمیازہ اٹھانا پڑے گا۔“

پرکاش چلا گیا تو ٹھاکر کی عورت نے کہا: ”بڑا لائق آدمی ہے۔“

پرکاش نے اسی دن وہ گھر چھوڑ دیا۔ اس گھر میں رہنے میں خدشہ تھا، لیکن جب تک شادی کی دھوم دھام رہی، اکثر تمام دن یہیں رہتے تھے۔

اب تک پرکاش اور چمپا میں کوئی راز نہ تھا۔ پرکاش کے پاس جو کچھ تھا وہ چمپا کا تھا۔ چمپا ہی کے پاس اس کے ٹرنک، صندوق اور الماری کی چابیاں رہتی تھیں۔ مگر اب پرکاش کا ایک صندوق ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس کی چابی کہاں تھی اس کا چمپا کو پتا نہیں، وہ پوچھتی ہے: ”اس صندوق میں کیا ہے؟“ تو وہ کہہ دیتے ہیں:

”کچھ نہیں، پرانی کتابیں ہیں ماری ماری پھرتی تھیں، اٹھا کے صندوق میں بند کر دی ہیں۔“ چپا کو شک کی گنجائش نہ تھی۔

ایک دن چپا انھیں پان دینے گئی، تو دیکھا وہ اس صندوق کو کھولے کچھ دیکھ رہے ہیں۔ اسے دیکھتے ہی ان کا چہرہ فق ہو گیا۔ شبے کا اکھواٹکا مگر پانی بہہ کر سوکھ گیا۔ چپا کسی ایسے راز کا خیال ہی نہ کر سکی جس سے شبے کو غذا ملتی۔ مگر جب تک صندوق کھول کر تمام چیزیں دیکھ نہ لے پرکاش کو چین کہاں۔ چپا جیسے ہی کھانا پکانے لگی۔ وہ صندوق کھول کر دیکھنے لگا۔ آج چپا نے پکوڑیاں بنائی تھیں، پکوڑیاں گرم گرم ہی مزا دیتی ہیں۔ پرکاش کو پکوڑیاں پسند بھی بہت تھیں۔ اس نے تھوڑی سی پکوڑیاں طشتری میں رکھیں اور پرکاش کو دینے لگی۔ پرکاش نے اسے دیکھتے ہی صندوق دھماکے سے بند کر دیا اور تالا لگا کر اسے بہلانے کے لیے بولا: ”طشتری میں کیا لائیں؟ آج نہ جانے کیوں مطلق بھوک نہیں لگی۔ پیٹ میں گرانی معلوم ہوتی ہے۔“

ایک دن ایک پھیری والا بساطی پرانی چابیاں بیچنے آ نکلا۔ چپا نے اس تالے کی چابی خرید لی اور صندوق کھول ڈالا۔ ارے یہ تو زیور ہیں۔ اس نے ایک زیور نکال کر دیکھا۔ یہ کہاں سے آگئے! مجھ سے تو کبھی ان کے متعلق بات چیت نہیں کی۔ معاً اس کے دل میں یہ خیال گذرا یہ زیورات ٹھاکر صاحب کے تو نہیں! چیزیں وہی تھیں جن کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ اسے اب کوئی شک نہیں رہا۔ لیکن اتنی بڑی شرم و ندامت سے اس کا سر جھک گیا۔ اس نے ایک دم صندوق بند کر دیا اور پلنگ پر لیٹ کر سوچنے لگی۔ ان کی اتنی ہمت پڑی کیسے؟ یہ کمینہ خوانش ان کے من میں آئی کیسے؟ میں نے تو کبھی زیوروں کے لیے انھیں تنگ نہیں کیا۔ ان کا ضمیر اتنا کم زور کیوں ہو گیا؟

اس دن سے چپا کچھ اداس رہنے لگی۔ پرکاش سے وہ محبت نہ رہی، نہ وہ عزت کا جذبہ، بات بات پر تکرار ہو جاتی۔ پہلے دونوں ایک دوسرے سے دل کی بات کہتے تھے۔ مستقبل کے منصوبے باندھتے تھے، آپس میں ہم دردی تھی مگر اب دونوں میں کئی کئی دن تک آپس میں ایک بات بھی نہ ہوتی۔

کئی مہینے گزر گئے۔ شہر کے ایک بینک میں اسسٹنٹ مینیجر کی جگہ خالی ہوئی۔ پرکاش نے اکاؤنٹنٹ کا امتحان پاس کما ہوا تھا، لیکن شرط یہ تھی کہ نقد دس ہزار روپے کی ضمانت داخل کی جائے۔ اتنی بڑی رقم کہاں سے آئے، پرکاش تڑپ تڑپ کر رہ جاتا۔

ایک روز ٹھاکر صاحب سے اس معاملے پر بات چیت چل پڑی ٹھاکر صاحب نے کہا: ”تم کیوں نہیں درخواست بھیجتے؟“

پرکاش نے سر جھکا کر کہا: ”دس ہزار کی نقد ضمانت مانگتے ہیں۔ میرے پاس روپے کہاں رکھے ہیں؟“

”اجی درخواست تو دو، اگر اور سب امور طے ہو جائیں تو ضمانت بھی دے دی جائے گی۔ اس کی فکر نہ کرو۔“

پرکاش نے حیران ہو کر کہا : ”آپ ضمانت داخل کر دیں گے؟“

”ہاں ہاں یہ کون سی بڑی بات ہے۔“

پرکاش گھر کی طرف چلا تو بڑا اُداس تھا۔ اس کو یہ نوکری ضرور ملے گی، مگر پھر بھی وہ خوش نہیں ہے۔ ٹھاکر صاحب کی صاف دلی اور ان کے اس پر اتنے زبردست اعتماد سے اسے دلی صدمہ ہو رہا ہے۔

اس نے گھر آکر چمپا کو خوش خبری سنائی۔ چمپا نے سن کر منہ پھیر لیا، پھر ایک منٹ بعد بولی :
”ٹھاکر صاحب سے تم نے کیوں ضمانت دلائی؟ آدمی کی نیت بھی تو ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی۔“

پرکاش سنائے میں آگیا۔ اس نے چمپا کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اس کے دل میں سوال پیدا ہوا۔ چمپا نے صندوق کھول کر کہیں دیکھ تو نہیں لیا؟ کھانے کے وقت پرکاش نے چمپا سے پوچھا : ”تم نے کیا سوچ کر کہا کہ آدمی کی نیت تو ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی؟“ (جیسے اس کی زندگی اور موت کا سوال ہو۔)

چمپا نے آزرہ ہو کر کہا : ”کچھ نہیں میں نے دنیا کی بات کہی تھی۔ تم تو زبان پکڑتے ہو، ٹھاکر صاحب کے ہاں شادی میں ہی تم اپنی نیت ٹھیک نہ رکھ سکے۔ ان چھ مہینوں میں انھوں نے تمھارے ساتھ کیا کیا سلوک کیے۔ کچھ دیا ہی ہے، مکان تم نے خود چھوڑا۔ لیکن وہ بیس روپے ماہ وار دیے جاتے ہیں۔ علاقے سے کوئی سوغات آتی ہے، تمھارے ہاں ضرور بھیجتے ہیں۔ تمھارے پاس گھڑی نہ تھی، اپنی گھڑی تمھیں دے دی۔ تمھاری کہان جب نافعہ کرتی ہے، خبر پاتے ہی اپنا نوکر بھیج دیتے ہیں۔ میری بیماری میں ڈاکٹر کی فیس انھوں نے ادا کی اور دن میں دو دفعہ پوچھنے آیا کرتے تھے۔ یہ ضمانت کی کیا چھوٹی بات ہے؟ اپنے رشتے داروں تک کی ضمانت جلدی سے کوئی دیتا ہی نہیں۔ تمھاری ضمانت کے لیے نقد دس ہزار روپے نکال کر دے دیے۔ اسے تم چھوٹی بات سمجھتے ہو؟ آج تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو ان کے روپے تو ضبط ہو جائیں۔ جو آدمی ہمارے اوپر اتنی مہربانی کرے اس کے لیے ہمیں جان قربان کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“

پرکاش کھانا کھا کر لیٹا تو اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ دل کی سیانی اس وقت سامنے آتی ہے جب کوئی اسے ہمارے سامنے کھول کے رکھ دیتا ہے۔ تب ہمارے منہ سے نکل پڑتا ہے، افسوس ! چمپا کے ان ملامت آمیز الفاظ نے پرکاش کی انسانیت کو بیدار کر دیا۔ وہ صندوق کئی گنا بھاری ہو کر پتھر کی طرح اسے دبائے لگا۔

پرکاش کو بینک میں ملازمت مل گئی۔ اس تقریب میں اس کے ہاں مہمانوں کی دعوت ہے۔ ٹھاکر صاحب، ان کی اہلیہ، ویراندر اور اس کی نئی دلہن بھی آئے ہوئے ہیں۔ باہر یار دوست گا بجا رہے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد ٹھاکر صاحب چلنے کو تیار ہوئے۔

پرکاش نے کہا: ”آج آپ کو یہاں رہنا ہوگا۔ دادا میں اس وقت نہ جانے دوں گا۔“ چچا کو اس کی یہ ضد بری معلوم ہوئی۔ چارپائیاں نہیں ہیں۔ بچھو نے نہیں ہیں اور نہ کافی جگہ ہی ہے۔ رات بھر ان کو تکلیف دینے اور خود تکلیف اٹھانے کی کوئی ضرورت، اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ لیکن پرکاش برابر ضد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ٹھاکر صاحب راضی ہو گئے۔

بارہ بجے تھے، ٹھاکر صاحب اوپر سو رہے تھے اور پرکاش باہر برآمدے میں۔ تینوں عورتیں اندر کمرے میں تھیں۔ پرکاش جاگ رہا تھا۔ ویرو کے سر ہانے چابیوں کا گچھا پڑا ہوا تھا، پرکاش نے گچھا اٹھالیا، پھر کمرہ کھول کر اس میں سے زیورات کا ڈبا نکالا اور ٹھاکر صاحب کے گھر کی طرف چلا۔ کئی ماہ پیش تر وہ اسی طرح لرزتے ہوئے دل کے ساتھ ٹھاکر صاحب کے مکان میں گھسا تھا۔ اس کے پاؤں تب بھی اسی طرح تھر تھرا رہے تھے لیکن تب کانٹا چھپنے کا درد تھا، آج کانٹا نکلنے کا تب بخار کا چڑھاؤ تھا حرارتِ اضطراب اور خلش سے پُر، اب بخار کا اتار تھا، سکون، فرحت اور اُمنگ سے بھرا ہوا، تب قدم پیچھے ہٹا تھا لیکن آج آگے بڑھ رہا تھا۔

ٹھاکر صاحب کے گھر پہنچ کر اس نے آہستہ سے کمرہ کھولا اور اندر جا کر ٹھاکر صاحب کے پلنگ کے نیچے ڈبا رکھ دیا، پھر فوراً باہر آکر آہستہ سے دروازہ بند کیا اور گھر لوٹ پڑا۔

ٹھاکر صاحب صبح تشریف لے گئے۔ پرکاش شام کو پڑھانے جایا کرتا تھا۔ آج وہ بے صبر ہو کر تیسرے پہر ہی جا پہنچا۔ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہاں آج کیا گل کھلتا ہے۔

ویراندر نے اسے دیکھتے ہی خوش ہو کر کہا: ”بابو جی کل آپ کے ہاں کی دعوت بڑی مبارک تھی۔ جو زیورات چوری ہو گئے تھے سب مل گئے۔“

ٹھاکر صاحب بھی آگئے، اور بولے: ”بڑی مبارک دعوت تھی تمہاری۔ زیور کا پورا ڈبا مل گیا۔ ایک چیز بھی نہیں گئی، جیسے امانت رکھنے کے لیے ہی لے گیا ہو۔ کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ چوری کیا ہوا مال چھ ماہ بعد مل جائے اور جوں کا توں۔“

ڈبا کھول کر اس نے بڑی سنجیدگی سے دیکھا: ”تعجب کی بات ہے۔۔۔ میری عقل تو کام نہیں کرتی۔“

ٹھاکر: ”کسی کی عقل کچھ کام نہیں کرتی بھائی! تمہاری ہی کیوں؟ ویرو کی ماں تو کہتی ہے کوئی غیبی معجزہ ہے۔ آج سے مجھے معجزات پر یقین ہو گیا۔“

پرکاش: ”اگر آنکھوں دیکھی بات نہ ہوتی تو مجھے یقین نہ آتا۔“

ٹھاکر: ”آج اس خوشی میں ہمارے ہاں دعوت ہوگی۔“

پرکاش: ”آپ نے کوئی منتر و منتر تو نہیں پڑھوا لیا کسی سے؟“

ٹھاکر: ”کئی پنڈتوں سے۔“

پرکاش بولا: ”تو بس یہ اسی کی برکت ہے۔“

گھر لوٹ کر پرکاش نے چمپا کو یہ خوش خبری سنائی۔ وہ نہ جانے کیوں رونے لگی، جیسے اس کا بچھڑا ہوا خاوند بہت مدت کے بعد گھر آگیا ہو۔

پرکاش نے کہا: ”آج ان کے ہاں ہماری دعوت ہے۔“

”میں بھی ایک ہزار بھوکوں کو کھانا کھلاؤں گی۔“ چمپا نے کہا۔ ”تم تو سیکڑوں کا خرچ بتلا رہی ہو۔“ پرکاش بولا۔

”مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ لاکھوں روپے خرچ کرنے پر بھی ارمان پورا نہ ہوگا۔“ چمپا بولی۔

پرکاش کی آنکھوں میں آنسو آگئے!

(ماخوذ از ہزار راہ)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) چندر پرکاش نے عملی زندگی کا آغاز کس طرح کیا؟
- (۲) کس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھاکر صاحب چندر پرکاش پر اعتماد کرتے تھے؟
- (۳) چندر پرکاش کے ذہن میں بے ایمانی کا خیال کیسے آیا؟
- (۴) چندر پرکاش نے ٹھاکر صاحب کا گھر کیوں چھوڑا؟
- (۵) ٹھاکر صاحب کے چندر پرکاش پر کسی ایک احسان کی تفصیل بتائیے۔
- (۶) چندر پرکاش اور اُس کی بیوی کے کرداروں کا تقابل کیجیے۔
- (۷) چمپا کو ایسا کیوں محسوس ہوا کہ اس کا بچھڑا ہوا خاوند بہت مدت کے بعد گھر آیا ہے؟
- (۸) افسانہ نگار نے زندگی میں سچی خوشی حاصل کرنے کا کیا طریقہ بتایا ہے؟

سوال نمبر ۲: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق و سباق کیجیے:

(الف) ”پہلے دونوں مستقبل کے منصوبے باندھتے تھے، آپس میں ہم دردی تھی مگر اب دونوں میں کئی کئی دن تک آپس میں بات بھی نہ ہوتی۔“

(ب) ”اس کے پاؤں تھر تھرا رہے تھے لیکن تب کانٹا چھنے کا درد تھا، آج کانٹا نکلنے کا سکون، فرحت اور امنگ سے بھرا ہوا، تب قدم پیچھے ہٹا تھا لیکن آج آگے بڑھ رہا تھا۔“

سوال نمبر ۳: افسانے ”زیور کا ڈبا“ کی تلخیص تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۴: افسانے ”زیور کا ڈبا“ کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر ۵: کیا یہ افسانہ آپ کے شعور میں اضافے کا سبب بنا؟ کیسے؟

سوال نمبر ۶: آپ کو اس افسانے کے کس کردار نے متاثر کیا اور کیوں؟

سوال نمبر ۷: ذیل کے الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

صلاح	محنت حال	اڑا لینا	کارستانی	دوڑ دھوپ
لحاظ	جواب دہی	دھوم دھام	ضمیر	گل کھلنا

سوال نمبر ۸: درج ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے:

شیریں	امانت	انسانیت	محتاج	ستم
-------	-------	---------	-------	-----

سوال نمبر ۹: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) چندر پرکاش کو رہنے کے لیے مکان دیا:
(الف) خان صاحب نے (ب) ٹھاکر صاحب نے (ج) شیخ صاحب نے (د) مرزا صاحب نے
- (۲) ٹھاکر صاحب کے بیٹے کا نام تھا:
(الف) کرشن (ب) درشن (ج) ویراندر (د) ویراد
- (۳) زیورات کی مالیت تھی:
(الف) چار ہزار روپے (ب) پانچ ہزار روپے (ج) چھ ہزار روپے (د) سات ہزار روپے
- (۴) پرکاش سے بینک والے ضمانت مانگ رہے تھے:
(الف) پانچ ہزار کی (ب) دس ہزار کی (ج) بیس ہزار کی (د) تیس ہزار کی
- (۵) ”زبان پکڑنا“ ہے:
(الف) مثال (ب) تشبیہ (ج) روزمرہ (د) محاورہ

سرگرمیاں

- طلبہ کمرۂ جماعت میں پرکاش کے کردار کی خوبیوں اور خامیوں پر بحث کریں گے۔
- طلبہ مختصر لیکچر کی شکل میں اس افسانے کے کسی ایک فکری یا فنی پہلو پر روشنی ڈالیں گے۔
- طلبہ افسانے میں موجود روزمرہ اور محاورے تلاش کریں گے۔

افسانہ: افسانے سے مراد ایسی مختصر کہانی جو ایک نشست میں پڑھی جاسکے اور اس میں زندگی کے کسی ایک پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہو۔ افسانے کے فن میں پلاٹ، کردار، زمان و مکاں، مرکزی خیال اور اسلوب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اردو میں افسانہ انگریزی زبان و ادب کے وسیلے سے آیا ہے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو افسانے کی صنف کے بارے میں بتائیے۔
- طلبہ کو بتائیے کہ فکشن کی مختلف اصناف ہماری زندگی کی عکاس ہوتی ہیں اور اُن میں بیانیہ یا علامتی پیرائے میں زندگی کی تنقید بھی موجود ہوتی ہے۔
- طلبہ کو اس افسانے میں موجود زبان و بیان کی خوبیاں بتائیے۔
- طلبہ کو روزمرہ، محاورے اور ضرب المثل کا فرق سمجھائیے۔



احمد ندیم قاسمی (احمد شاہ)

پیدائش: ۲۰ - نومبر ۱۹۱۶ء انگلہ (پنجاب)

وفات: ۱۰ - جولائی ۲۰۰۶ء لاہور

تسلیف: چوپال، بگولے، برگِ جنا، آبلے، سیلاب، طلوع و غروب، نیلا پتھر

بابا نور

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) بات درمیان سے سن کر سیاق و سباق سمجھیں اور موضوع سمجھا سکیں۔
(۲) کسی نثر پارے کو سن کر اس میں پوشیدہ/موجود محاسن بیان کر سکیں۔ (۳) روزمرہ زندگی میں اردو زبان کو اظہار و ابلاغ کے لیے استعمال کر سکیں۔

”کہاں چلے بابا نور؟“ ایک بچے نے پوچھا۔

”بس بھی، یہیں ذرا ڈاک خانے تک۔“ بابا نور بڑی ذمہ دارانہ سنجیدگی سے جواب دے کر آگے نکل گیا اور سب بچے کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

صرف مولوی قدرت اللہ چپ چاپ کھڑا بابا نور کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ بولا: ”ہنسو نہیں بچو۔ ایسی باتوں پر ہنسا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے پروا ہے۔“

بچے خاموش ہو گئے اور جب مولوی قدرت اللہ چلا گیا، تو ایک بار پھر سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ بابا نور نے مسجد کی محراب کے پاس رک کر جوتا اتارا، ننگے پاؤں آگے بڑھ کر محراب پر دونوں ہاتھ رکھے، اسے ہونٹوں سے چوما، پھر اسے باری باری دونوں آنکھوں سے لگایا، اٹے قدموں واپس ہو کر جوتے پہنے اور جانے لگا۔

بچے یوں ادھر ادھر کی گلیوں میں کھنکنے لگے جیسے ایک دوسرے سے شرماتے رہے ہوں۔

بابا نور کا سارا لباس دھلے ہوئے سفید کھدر کا تھا۔ سر پر کھدر کی ٹوپی جو سر کے بالوں کی سفیدی سے گردن تک چڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی سفید داڑھی کے بال تازہ تازہ کنگھی کی وجہ سے خاص ترتیب سے سینے پر پھیلے ہوئے تھے۔ گورے رنگ میں زردی نمایاں تھی، چھوٹی چھوٹی آنکھوں کی پتلیاں اتنی سیاہ تھیں کہ بالکل مصنوعی معلوم ہوتیں۔ لباس، بالوں اور جلد کی اتنی بہت سی سفیدی میں یہ دو کالے بھونرا نقطے بہت

اجنبی سے لگتے۔ لیکن یہی اجنبیت بابا نور کے چہرے پر بچپنے کی سی کیفیت طاری رکھتی تھی۔ اس کے کندھے پر سفید کھدر کا ایک رومال تھا جو لوگوں کے ہجوم سے لے کر مسجد کی محراب تک تین چار بار کندھا بدل چکا تھا۔

”ڈاک خانے چلے بابا نور؟“ دکان کے دروازے پر کھڑے ایک نوجوان نے پوچھا۔

”ہاں بیٹا، جیتے رہو۔“ بابا نور نے جواب دیا۔

قریب ہی ایک بچہ کھڑا تھا۔ تڑاخ سے تالی بجا کر چلایا، ”آہا، بابا نور ڈاک خانے چلا۔“

”بھگ جا یہاں سے۔“ نوجوان نے بچے کو گھر کا۔

اور بابا نور جو کچھ دور گیا تھا، پلٹ کر بولا، ”ڈانٹ کیوں رہے ہو بچے کو۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔ ڈاک خانے ہی تو جا رہا ہوں۔“

دور دور سے دوڑ دوڑ کر آتے ہوئے بچے بے اختیار ہنسنے لگے اور بابا نور کے پیچھے ایک جلوس مرتب ہونے لگا، مگر آس پاس سے نوجوان لپک کر آئے اور بچوں کو گلیوں میں بکھیر دیا۔

بابا نور اب گاؤں سے نکل کر کھیتوں میں پہنچ گیا تھا۔ پگ ڈنڈی مینڈ مینڈ جاتی ہوئی اچانک ہرے بھرے کھیتوں میں اترتی، تو بابا نور کی رفتار میں بہت کمی آجاتی۔ وہ گندم کے نازک پودوں سے پاؤں، ہاتھ اور چولے کا دامن بچاتا ہوا چلتا۔ اگر کسی مسافر کی بے احتیاطی سے کوئی پودا پگڈنڈی کے آر پار کٹا ہوا ملتا، تو بابا نور اسے اٹھا کر دوسرے پودوں کے سینے سے لپٹا دیتا اور جس جگہ سے پودے نے خم کھایا تھا، اسے کچھ یوں چھوٹا جیسے زخم سہلا رہا ہے۔ پھر وہ کھیت کی مینڈ پر پہنچ کر تیز تیز چلنے لگتا۔

چار کسان پگڈنڈی پر بیٹھے حقے کے کش لگا رہے تھے۔ ایک لڑکی گندم کے پودوں کے درمیان سے کچھ اس صفائی سے درانتی سے گھاس کاٹی پھر رہی تھی کہ مجال ہے جو کسی پودے پر خراش آجائے۔ بابا نور ذرا سا رک کر لڑکی کو دیکھنے لگا۔ وہ گھاس کی دستی کاٹ کے ہاتھ پیچھے لے جاتی۔ گھاس پیٹھ پر لٹکی گٹھری میں ڈال، پھر درانتی چلانے لگتی۔

”بھئی کمال ہے۔“ بابا نور نے دور ہی سے کسانوں کو مخاطب کیا۔ ”یہ لڑکی تو بالکل مداری ہے۔ اتنی لمبی درانتی چلا رہی ہے۔ چپے چپے پر گندم کا پودا اگ رہا ہے لیکن درانتی گھاس کاٹ لیتی ہے اور گندم کو چھوٹی تک نہیں۔ یہ کس کی بیٹی ہے؟“

”کس کی بیٹی ہے بیٹا؟“ بابا نے لڑکی سے پوچھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، تو ایک کسان کی آواز آئی،

”میری ہے بابا۔“

”میری ہے؟“ بابا نور کسانوں کی طرف جانے لگا۔ ”بڑی سیانی ہے، بڑی اچھی کسان ہے۔ خداحیات لمبی کرے۔“
”آج کہاں چلے بابا؟“ لڑکی کے باپ نے پوچھا۔ ”ڈاک خانے؟“ دوسرے نے پوچھا۔

”ہاں۔“ بابا نور ان کے پاس ذرا سارک کر بولا، ”میں نے کہا پوچھ آؤں شاید کوئی چٹھی وٹھی آئی ہو۔“

چاروں کسان خاموش ہو گئے۔ انھوں نے ایک طرف ہٹ کر پگڈنڈی چھوڑ دی اور بابا نور آگے بڑھ گیا۔ ابھی وہ کھیت کے پرلے سرے پر پہنچا ہی تھا کہ لڑکی کی آواز آئی، ”لسی پیو گے بابا نور؟“

بابا نور نے مڑ کر دیکھا اور گاؤں سے نکلنے کے بعد پہلی بار مسکرایا۔ ”پی لوں گا بیٹا۔“ پھر ذرا رک کر بولا: ”پر دیکھ ذرا جلدی سے لاوے۔ ڈاک کا منشی ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے، چلا نہ جائے۔“

لڑکی نے گھاس کی گٹھڑی کندھے سے اتار وہیں کھیت میں رکھی۔ پھر وہ دوڑ کر مینڈ پر آئی ایک بیری کے پاس آئی۔ تنے کی اوٹ میں پڑے برتن کو خوب چھلکایا، ایلومونیم کا کٹورا بھرا اور لپک کر بابا نور کے پاس جا پہنچی۔

بابا نے ایک ہی سانس میں سارا کٹورا پی کر رومال سے ہونٹ صاف کیے، بولا: ”نصیبہ اس لسی کی طرح صاف ستھرا ہو بیٹا۔“ اور آگے بڑھ گیا۔

مدرسے کے برآمدے میں ڈاک کا منشی بہت سے لوگوں کے درمیان بیٹھا روزانہ کے فارم پُر کر رہا تھا۔ وہ دیہاتیوں کو معلومات سے بھی مستفید کرتا رہتا، ”میرا سالا وہاں کراچی میں چپراسی کا کام کرتا تھا۔ جب وہ مرا، تو مجھے فاتحہ پڑھنے کراچی جانا پڑا۔“

بات یہ ہے دوستو! کہ ایک بار کراچی ضرور دیکھ لو، چاہے وہاں گدھا گاڑی میں بٹھنا پڑے۔ اتنی موٹر کاریں ہیں کہ ہمارے گاؤں میں تو اتنی چڑیاں بھی نہیں ہوں گی۔ ایک سیٹھ کہہ رہا تھا کہ بس ایک اور بڑی لام لگ جائے، تو کراچی ولایت بن جائے۔ کہتے ہیں کتنی بار لام لگنے لگی پر لگتے لگتے رہ گئی۔ کوئی نہ کوئی بیچ میں ٹانگ اڑا دیتا ہے۔ کہتے ہیں لام میں لوگ مریں گے۔ کوئی پوچھے لام نہ لگی، تو جب بھی تو لوگ مریں گے۔ لام میں گولے سے مریں گے، ویسے بھوک سے مر جائیں گے۔ ٹھیک ہے نا۔“

”ٹھیک ہی تو ہے۔“ ایک دیہاتی بولا۔ ”پر منشی جی پہلے یہ بتاؤ کہ لفافہ کتنی کاکب کرو گے؟“ منشی نے اسے کچھ سمجھانے کے لیے سامنے دیکھا تو اس کی نظر ایک نقطے پر جیسے جم کر رہ گئی۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ بجبھی ہوئی آواز میں بولا: ”بابا نور آ رہا ہے۔“ سب لوگوں نے پلٹ کر دیکھا اور پھر سب کے چہرے کھلا گئے۔

بچے مدرسے کے دروازوں اور کھڑکیوں میں جمع ہو کر ”بابا نور۔ بابا نور۔“ کی سرگوشیاں کرنے لگے۔ منشی نے انھیں ڈانٹ کر اپنی اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔ سفید براق بابا نور سیدھا مدرسے کے برآمدے کی طرف آ رہا تھا اور لوگ جیسے سہے جا رہے تھے۔

برآمدے میں پہنچ کر اس نے کہا: ”ڈاک آگئی منشی جی؟“

”آگئی بابا۔“ منشی نے جواب دیا۔

”میرے بیٹے کی چٹھی تو نہیں آئی؟“ بابا نے پوچھا۔

”نہیں بابا۔“ منشی بولا۔

بابا نور چپ چاپ واپس چلا گیا۔ دور تک پگڈنڈی پر ایک سفید دھتار رینگتا ہوا نظر آتا رہا اور لوگ دم بہ خود بیٹھے اسے دیکھتے رہے۔

پھر منشی بولا: ”دس سال سے بابا نور اسی طرح آرہا ہے۔ یہی سوال پوچھتا اور یہی جواب لے کر چلا جاتا ہے۔ بے چارے کو یہ یاد ہی نہیں رہا کہ سرکار کی وہ چٹھی بھی تو میں نے ہی اسے پڑھ کر سنائی تھی۔ اس میں خبر تھی کہ بابا کا بیٹا برما میں بم کے گولے کا شکار ہو چکا۔ جب سے وہ پاگل سا ہو گیا ہے۔ مگر خدا کی قسم ہے دوستو! اگر آج کے بعد وہ پھر میرے پاس یہی پوچھنے آیا، تو مجھے بھی پاگل کر جائے گا۔“

(ماخوذ از: بازار حیات)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) بابا نور ڈاک خانے کے چکر کیوں لگاتا تھا؟
- (ب) بابا نور نے کھیت میں کام کرتی لڑکی کی کیوں تعریف کی؟
- (ج) بابا نور کا افسانے میں بیان کردہ حلیہ اپنے الفاظ میں لکھیے؟
- (د) کس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بابا نور کے کردار میں معصومیت، درد مندی اور خیر خواہی کے عناصر موجود تھے؟
- (ه) اس افسانے کا انجام ہماری فکر اور احساس پر کیا اثرات مرتب کرتا ہے؟

(د) کن باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک دیہاتی ماحول کا افسانہ ہے؟

سوال نمبر ۲: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق و سباق کیجیے:

(الف) پھر وہ بولا: ”ہنسو نہیں بچو، ایسی باتوں پر ہنسا نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی ذات بے پروا ہے۔“

(ب) ”بابا نور جو کچھ دور گیا تھا، پلٹ کر بولا، ڈانٹ کیوں رہے ہو بچے کو۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔“

ڈاک خانے ہی تو جا رہا ہوں۔“

(ج) ”اُس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ بجھی ہوئی آواز میں بولا بابا نور آ رہا ہے۔“

سوال نمبر ۳: اس افسانے کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۴: اس افسانے کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر ۵: بابا نور جیسے کسی حقیقی کردار کے بارے میں چند واقعات پر مشتمل مختصر کہانی لکھیے۔

سوال نمبر ۶: درج ذیل واحد الفاظ کی جمع لکھیے:

کیفیت	مسجد	کمال	مدرسہ	قدم
-------	------	------	-------	-----

سوال نمبر ۷: ذیل کے الفاظ و تراکیب اور محاورے جملوں میں استعمال کیجیے:

اجنبیت	پگڈنڈی	دامن بچانا	زخم سہلانا	دم بہ خود
رنگ فق ہونا	نصیبہ	مستقید کرنا	سرگوشتیاں	ہوا کے گھوڑے پر سوار رہنا

سوال نمبر ۸: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) بابا نور دس سال سے جاتا تھا: (الف) اسٹیشن (ب) ڈاک خانے (ج) اسکول (د) بازار
- (۲) سفید کھدر کا رومال تھا بابا نور کے: (الف) سر پر (ب) گھر پر (ج) کندھے پر (د) ناک پر
- (۳) لڑکی گندم کے کھیت میں کاٹ رہی تھی: (الف) سبزی (ب) چارہ (ج) لکڑیاں (د) گھاس
- (۴) لڑکی نے بابا نور کے لیے کٹورا بھرا: (الف) لٹی کا (ب) پانی کا (ج) شربت کا (د) دودھ کا
- (۵) ”بابا نور“ احمد ندیم قاسمی کا تحریر کردہ ہے: (الف) ناول (ب) ناولٹ (ج) افسانہ (د) رپورتاژ

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ کمرۂ جماعت میں باری باری بتائیں گے کہ انھیں اس افسانے نے کس نئے جذبے یا احساس سے آشنا کیا۔
- ✦ طلبہ کمرۂ جماعت میں روزمرہ زندگی سے متعلق کسی موضوع پر چار سے پانچ منٹ کی گفتگو میں حصہ لیں گے۔

برائے اساتذہ

- ✦ اس افسانے کا کوئی منتخب حصہ طلبہ سے پڑھوایئے اور انھیں قرأتِ متن کے اصول بتائیئے۔
- ✦ طلبہ کو بتائیئے کہ تمام نثری اصنافِ ادب میں افسانے کا امتیاز کیا ہے۔
- ✦ طلبہ کو کہانی سننے سنانے کے دل چسپ مشغلے کی اہمیت اور افادیت سے آگاہ کیجیئے۔
- ✦ طلبہ کو بتائیئے کہ افسانہ شعور کی ترقی اور ہماری فکری و اخلاقی تربیت میں کیا کردار ادا کر سکتا ہے۔

غلام ربانی آگرو



پیدائش: ۵ - نومبر ۱۹۳۳ء، نوشہرو فیروز

وفات: ۱۸ - جنوری ۲۰۱۰ء، حیدرآباد

تصانیف: سندھ کے بچے، جیسے پھول گلاب کے، آبِ حیات، سندھ کے دریا، میدان اور پہاڑ

آبِ حیات

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) علمی یا ادبی گفتگو میں کر محظوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن کی تقسیم کر سکیں۔ (۲) تحریروں کو علمی، ادبی حوالوں سے سمجھ کر پڑھ سکیں۔ (۳) درسی متن کو سمجھ کر استثنائی سوالات کا جواب تحریر کر سکیں۔ (۴) ادبی مطالعے کا ذوق رکھتے ہوئے اردو کتب کا انتخاب کر سکیں۔ (۵) کہانی، انشائیہ یا مضمون وغیرہ لکھ سکیں۔

ڈھلتی شام کے وقت نہانے کی غرض سے جب میں دریا پر پہنچا تو شفق کی نیم روشن، سرخ شعاعوں کی وجہ سے دریا کا پانی سونے اور چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ اسی سونے چاندی کی سطح پر چھوٹی بڑی کشتیاں تیر رہی تھیں اور ان کے مدھم ہوتے سائے پانی کی لہروں پر ہلکے ہلکے رقص کر رہے تھے۔ میں نے ایک ملاح سے کہا: ”مجھے کچھ دور ہی جانا ہے۔“

”بسم اللہ، ابھی لو۔“ ملاح نے بہت پھرتی سے جواب دیا۔
میں پھلانگ کر کشتی میں سوار ہوا اور تھیلا برابر رکھ کر بیٹھ گیا۔
ملاح نے رستے کھول دیے تو کشتی دریا کی لہروں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔
”ابھی تو ساون بھادوں بھی نہیں پھر بھی دریا میں اتنا پانی!“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
”کیا بات پوچھ لی!“ ملاح چپو چلاتے ہوئے بولا: ”ابھی تو موسم بدلا ہے۔ مگر جب سخت سردی میں دوسرے دریا خشک ہو جاتے ہیں تب بھی اس دریا میں پانی کی فراوانی دیکھنے جیسی ہوتی ہے۔“
”دریا کی چوڑائی بھی خوب ہے۔ ایک میل تو ہوگی!“ میں نے دریا کے دونوں کناروں اور پانی کی گہرائی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

ملاح بولا: ”سائیں سب نام کی برکت ہے۔“

”وہ کیسے بھلا؟“ میں بولا۔

”آپ پڑھے لکھے ہیں اسی لیے ان باتوں پر یقین نہیں کریں گے۔ مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ ’مہران‘ سندھ کے ایک شہزادے کا نام تھا۔ اسی کے نام پر اس دریا کا نام ’مہران‘ رکھا گیا۔ شہزادے مہران جیسا سخی، رحم دل، خدا ترس اور عقل مند کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا، مگر کہتے ہیں کہ بچپن میں وہ بہت ضدی اور مغرور ہوتا تھا

کیوں کہ اس جیسا حسین و جمیل کوئی دوسرا ملک میں نہیں تھا۔
”سن رہے ہونا؟“ ملاح نے مجھے پانی کو گھورتے دیکھ کر پوچھا۔

”میں تمھاری ہی باتیں سن رہا ہوں۔“ میں نے جواب دیا، ملاح نے اپنی بات دوبارہ شروع کی۔
ایک دن شہزادہ مہران اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ شکار کھیلنے گیا۔ وہ سارا دن گھوڑے دوڑاتے رہے، میلوں سفر طے کیا مگر شکار ہاتھ نہ لگا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور وہ پہاڑ کے قریب پہنچے جہاں ہمیشہ کوئی نہ کوئی شکار مل ہی جاتا تھا۔ پہاڑ کی نچی طرف ایک ہرن گھاس چر رہا تھا۔ اچانک شہزادے مہران کی نظر ہرن پر پڑ گئی۔ اتنے میں ہرن چھلانگ مار کر بھاگ گیا۔ شہزادے نے بھی اپنا گھوڑا ہرن کے پیچھے لگا دیا۔ کچھ دیر تک گھوڑا اور ہرن ہوا سے باتیں کرتے رہے۔ پھر شہزادے نے عقل سے کام لیتے ہوئے بہت پھرتی سے تیر پھینکا، تیر سیدھا ہرن کی ٹانگ میں لگا اور ہرن وہیں ڈھیر ہو گیا۔ شہزادے نے گھوڑے سے اتر کر چھری ہرن کی گردن پر رکھ دی، ذبح کرتے وقت شہزادے کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اتنے میں شہزادے کے ساتھی بھی آن پہنچے جو شہزادے کے ہاتھ کانپتے دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے۔ اُن میں سے ایک نے شہزادے سے چھری لے کر ہرن کو حلال کیا، پھر شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا: ”جب لوگوں پر چھری چلتی ہے اُس وقت تو آپ کو جنبش تک نہیں ہوتی، آج ایک جانور کو ذبح کرتے وقت اتنا ڈر۔۔۔“ شہزادہ بولا: ”اس سوال کا جواب بعد میں دوں گا، ابھی چلو رات کے چار پہر گزارنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کریں۔ چاند پتا نہیں کس وقت نکلے گا اور اس اندھیرے میں پیچھے جانا بھی مشکل ہے۔“

”بلکہ حماقت ہے۔“ وزیر زادے نے کہا جو اب تک گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ”قریب کوئی آبادی بھی نظر نہیں آرہی ہے پہاڑ کے قریب ہی کسی جگہ پر ٹھہر کے ہرن کی ٹکا بوٹی کرتے ہیں۔“

”واہ کیا بات ہے!“ شہزادے نے جواب دیا پھر تینوں نے ایک سائے بان کے نیچے اپنی زنبیلیں رکھیں اور پڑاؤ ڈالا۔ برابر میں گھوڑے باندھ دیے۔ ایک لگا ہرن کو چھیلنے تو دوسرا لگا دھونی جگانے۔ کھانا کھاتے وقت شہزادہ اپنے دوستوں سے کہنے لگا: ”جس وقت میں ہرن کی گردن پر چھری پھیرنے لگا تو اُس وقت میری آنکھیں ہرن کی آنکھوں سے ٹکرائیں! کیا بتاؤں کہ میں نے ہرن کی آنکھوں میں کیا دیکھا؟ ہرن کی آنکھیں اتنی خوب صورت ہوتی ہیں جیسے نرگس کے پھول اور اتنی چمک دار جیسے آسمان میں تارے! مگر اس وقت جب چھری ہرن کی گردن پر تھی تب اس کی آنکھوں میں نہ تو نرگس کے پھولوں جیسی خوب صورتی تھی اور نہ ہی تاروں جیسی چمک۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں صرف موت کا سایہ تھا۔“

”موت کا سایہ!“ اس کے دوستوں کی چیخیں نکل گئیں۔

”ہاں۔“ شہزادے نے بھرائی ہوئی آواز میں آہستہ سے کہا: ”میری آنکھوں نے آج موت کا سایہ دیکھا اور میرے کانوں نے مرتے ہوئے ہرن کی آواز سنی۔“ جیسے کہہ رہا ہو: ”شہزادے ایک دن تمھاری بھی باری آئے گی، پانی کا ڈوبا کتنی دیر تک اپنا بچاؤ کرے گا۔“

شہزادہ کہہ کر چپ ہو گیا اور پھر کچھ دیر بعد کہا: ”کیا آپ میں سے کسی کے پاس اس سوال کا جواب ہے؟“

دونوں آدمی چپ رہے۔ کچھ دیر بعد وزیر زادہ بولا: ”شہزادے موت طعت نہیں ہے، طعت دینا یا شکوہ کرنا تو زندگی سے وابستگی کی باتیں ہیں۔“ شہزادہ بولا: ”موت تو ہر چیز کا خاتمہ ہے۔ تقدیر برابر اپنا کام کرتی ہے مگر تدبیر کرنا انسان کے بس میں ہے۔“ وزیر زادہ بولا: ”موت سے کوئی بھی تدبیر بچا نہیں سکتی۔“ شہزادے نے جواب دیا: ”کیوں؟ کیسے؟“

وزیر زادہ بولا: ”میرے والد نے مجھے بتایا ہے کہ جب سکندر بادشاہ اس ملک میں آیا تو ایک جوگی نے اسے بتایا کہ جس پہاڑ پر ہم بیٹھے ہیں اس میں ایک غار ہے۔ اس غار میں ایک چشمہ ہے جس کا پانی اتنا خوشبودار ہے جیسے کیوڑے کا شربت اور اتنا میٹھا ہے جیسے آم اور شہد۔ اس کی رنگت دودھیلا ہے اور اس کی خوبی یہ ہے کہ اس کے دو گھونٹ سو برس کے بوڑھے کو سولہ سال کا جوان بنا دیتے ہیں۔ اور اسے ابدی حیات مل جاتی ہے، اور موت اس انسان کے لیے بے معنی ہو جاتی ہے۔ اس پانی کا نام ہے، ”آپ حیات“۔“

سکندر بادشاہ نے یہ سن کر مضتم ارادہ کر لیا کہ ایک بار ضرور ”آپ حیات“ کی تلاش میں جاؤں گا پھر ایک رات اپنے دو وزیروں خضر اور الیاس کو ساتھ لے کر لشکر کی چھاؤنی سے باہر نکلا اور پہاڑ کی طرف بڑھا۔ جوگی کے کہنے کے مطابق پہاڑ پر گھوڑا اس وقت چڑھایا جب چاند آسمان کے درمیان میں آگیا۔ پہاڑ پر کچھ دیر پیدل چلنے کے بعد اسے دو سوکھے درخت نظر آئے، جن کے نیچوں نیچے وہ غار تھا۔ گھوڑے باہر باندھ کر تینوں غار کے اندر داخل ہو گئے۔ غار کے باہر اتنی چاندنی تھی کہ یہ آسانی سے کوئی کے ناکے میں دھاگا ڈالا جاسکے اور غار کے اندر اتنا اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ بٹھائی نہ دے۔ ایسے ہی گرتے پڑتے آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے ٹکھڑ گئے۔ خضر نے ایک عقل مندی کا کام کیا کہ ایک زندہ مچھلی اپنے ساتھ لے لی۔ وہ بہت دیر تک غار میں پیدل چلتا رہا۔ اچانک مچھلی اچھل کر نیچے جا گری اور گرتے ہی ایسی آواز آئی جیسے کوئی چیز پانی میں گری ہو۔ خضر نے دو قدم اٹھائے تو پیر گیلے ہو گئے۔ جھک کر نیچے دیکھا تو اس کے آگے آپ حیات سچے موتیوں کی مانند چمک رہا تھا!

ہاتھوں کا پیالہ بنا کر خوشی خوشی پیا۔ آپ حیات جیسے ہی حلق سے اُترا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اچانک نیند سے بیدار ہوا ہو۔ وہیں کسی کے قدموں کی آہٹ سنی جب آنے والا شخص قریب ہوا تو آواز سے پہچانا کہ وہ الیاس تھا۔ پھر تو دونوں نے سیر ہو کر آپ حیات پیا اور ابدی زندگی حاصل کی۔ سکندر اندھیرے میں دھکے کھاتا ہوا واپس چلا گیا، اور یہ دونوں غار سے نکل کر اپنی اپنی راہ چل دیے، آج جب بھی کوئی راہ گیر خشکی یا تری میں راستہ بھٹک جاتا ہے تو یہ اس کی راہ نمائی کرتے ہیں۔

وزیر زادے نے بات پوری کی تو شہزادہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور گھوڑے پر لگام ڈال کر کہنے لگا: ”سیکڑوں سال پہلے سکندر نے اپنا نصیب آزمایا تھا اور آج میری باری ہے۔ آپ میں سے کوئی ساتھ چلے تو ٹھیک ہے

ورنہ کسی سے کوئی گلہ نہیں۔

اس کے دوست شپٹا گئے اور اسے سمجھانے لگے کہ سنی سنائی باتوں پر ایسے اعتبار کرنا سراسر نادانی ہے۔ مگر شہزادے نے ایک نہ سنی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر اللہ توکل پہاڑ کی جانب رخ کیا اور چاند کو دیکھتے ہوئے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ جب چاند آسمان کے درمیان آیا تو گھوڑا پہاڑ کی جانب چڑھایا، کچھ دیر پیدل چلا تو دو سوکھے درخت نظر آئے جن کی ٹہنیاں اور شاخیں کئی برس پہلے بارش اور طوفان نے گرا دی تھیں۔ اب صرف تنے رہ گئے تھے۔ شہزادے نے گھوڑا ایک درخت سے باندھا اور غار کے منہ سے گھاس پھوس، تنکے ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر اس قدر اندھیرا تھا کہ دلیر انسان کا بھی کلیجا پھٹ جائے۔ مگر شہزادہ مہراں آگے بڑھتا رہا۔ اس کے قدموں سے پتھروں پر ایسی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں جیسے بارش کے قطرے کسی تانبے کے برتن میں ”چھن چھنا چھن چھن“ گر رہے ہوں۔ کچھ دیر پیدل چلنے کے بعد ایسی آہٹ سنی کہ چونک کر رک گیا۔ فضا کی خاموشی میں صرف شہزادے کی سانسوں کی آواز تھی۔ ابھی دو قدم ہی بڑھائے تھے کہ پھر آواز ہوئی۔ شہزادے کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ کیوں کہ آواز ایسی ہی تھی جیسے کوئی چیز پانی میں ہو۔ آواز کی کھوج لگاتا آگے بڑھتا گیا کہ اچانک اس کے قدم جم گئے، آگے آپ حیات کا چشمہ چمک رہا تھا۔ چشمے کے کنارے پر ایک مچھلی منہ نکال کر اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ مچھلی کے چھلکے ہاتھی کے دانت سے زیادہ سفید، چمک دار اور آنکھیں سرخ مرجان جیسی تھیں۔

”خوش آمدید، شہزادے مہراں۔“ مچھلی نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں منکارتے ہوئے کہا۔ شہزادہ حیرت میں پڑ گیا۔

”میں نے کہا خوش آمدید شہزادے مہراں۔“ مچھلی نے اپنی کلیوں کو سمیٹتے ہوئے دوبارہ کہا۔

شہزادہ خوش آمدید کا جواب دیتے ہوئے بولا: ”تم یہاں ----؟“

”میں یہاں کیسے اور کب سے ہوں؟ یہی پوچھنا چاہتے ہو نا؟“

”جی۔“ شہزادے نے کھڑے کھڑے جواب دیا۔

”میں یہاں تب سے ہوں جب خضر کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گری تھی مجھے یہاں رہتے ہوئے کئی سو صدیاں گزر گئی ہیں، ایک دفعہ جو آپ حیات پی لیا تو اب جینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔“

”چارہ نہیں۔“ شہزادہ بولا۔

”ہاں شہزادے، چارہ نہیں! کیوں؟ تمہیں یہ الفاظ کیوں عجیب لگے؟ کیسے؟ مگر پھر ----۔۔۔۔۔ دل کی بات کہنے کے لیے مجھے یہی الفاظ مناسب لگے، شہزادے بیٹھو۔ کئی دنوں کے بعد آج کسی جان دار کا منہ دیکھا ہے۔ میرے پاس آؤ تو ذرا تم سے دوچار باتیں کر لوں مگر یہ پانی بالکل مت پینا۔“

”پانی ----۔۔۔۔۔ تو ----۔۔۔۔۔“

”ہاں یہی تو ہے وہ ”آپ حیات“ جس کی تلاش میں تم یہاں آئے ہو اور یہی وہ آپ حیات ہے

جس کا لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں اور آسمانی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ آج اس کے دو گھونٹ تمہیں، ہمیشہ کے لیے موت کے ڈالنے سے محروم کر دیں گے اور اس کا ایک قطرہ تمہیں سولہ سال کا جوان بنا سکتا ہے۔ اور سو برس کے بڑھاپے کا دائمی عذاب بھی دے سکتا ہے۔

”سو برس کے بڑھاپے کا دائمی عذاب!“

”جی ہاں! سو برس کے بڑھاپے کا دائمی عذاب۔“

مچھلی پانی میں غوطہ لگا کر کچھ دیر بعد باہر نکلی۔ شہزادے کی طرف منہ کر کے کہنے لگی: ”ہاں ایسے ہی ہے۔“ شہزادے! اس آبِ حیات کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جس شخص نے لوگوں کو بلاوجہ تنگ کیا ہو، ان کا دل دکھایا ہو، اُس کو آبِ حیات کا ایک قطرہ ابدی زندگی تو عطا کر دے گا، مگر ایسی جیسی سو برس کا ضعیف جو نہ زندوں میں ہوگا نہ مردوں میں، جیسے بچھو جو ہر کسی کو صرف ڈنک مارتا ہے اور جیسے جھاؤ چوہا جس کو چھونے سے صرف کانٹے ہی لگتے ہیں۔“ ”اور اگر۔۔۔۔۔“ مچھلی شہزادے کا سوال سمجھ گئی اور جواب دیا، ”اور اگر کسی شخص نے ہمیشہ سچ بولا ہو، کم زوروں پر رحم کیا ہو تو آبِ حیات کا ایک قطرہ اس شخص کو ابدی زندگی عطا کرے گا جیسی مور کی، جو سارے پرندوں میں خوب صورت ہوتا ہے اور جیسی قطب تارے کی، جو ہمیشہ چمکتا رہتا ہے۔“

شہزادہ سوچ میں پڑ گیا۔ مچھلی پھر کہنے لگی: ”شہزادے! اب یہ یقین کرنے کے لیے کہ نیکی تمہارا پھل ہے یا بدی، اس پانی میں دیکھو۔ اس پانی میں اور اس پانی میں بھی جو انسان کی آنکھوں میں ہوتا ہے، اور جو صرف بے حد دکھ اور بے حد خوشی پر آنکھوں میں آتا ہے۔ یہ خوبی ہے کہ اس میں جو بھی دیکھے اُسے اپنی روح کا سایہ تک نظر آئے گا۔ آنکھ انسان کی روح کا آئینہ ہوتی ہے، جو کبھی تمہیں اپنی آنکھوں میں شرم اور حیا، رحم دلی اور ہم دردی نظر آئے تو سمجھو کہ نیکی تمہارا پھل ہے۔ کیوں کہ پھر تمہاری روح ایسی ہی پاک ہوگی جیسے بارش کا پانی اور ایسی ہی نرم ہوگی۔ جیسے شبنم کے قطرے صاف، شفاف چمک دار! پر تمہیں اپنی آنکھوں میں جھوٹ اور ظلم کی جھلک نظر آئے، تو جان لو کہ تمہارا پھل بدی ہے اور تمہاری روح کالی ہے بالکل کونے جیسی، جو خود تو کالا ہے مگر جس سے لگے اُسے بھی کالا کر دے! اور اتنی سخت کہ دنیا میں کوئی چیز ویسی نہیں! اور شہزادے، بے شک کالی روح اور بے حیا آنکھ کو دھو کر پاک صاف کرنے کے لیے آبِ حیات کے ہزاروں چشمے بھی کم ہیں۔ اگر تمہاری روح پاک ہے تو پھر تمہیں کسی بھی آبِ حیات کی ضرورت نہیں، کیوں کہ تمہارا نام تب تک قائم رہے گا جب تک بقا کو بقاء ہے پھر تم اُمر ہو جاؤ گے ہر دور اور ہر انسان کے لیے مثال بن جاؤ گے۔“

شہزادہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ مچھلی غوطہ لگا کر پانی میں چلی گئی اور پھر کچھ دیر کے بعد واپس آ کر شہزادے کو کہا: ”اور شہزادے! یہ نہ بھولنا کہ تم ایک ملک کے حکم راں ہو۔ کسی بھی ملک کے حکم راں کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی مٹی، گوشت پوست کے مجسمے کو زیادہ عرصے تک قائم رکھنے کے لیے آبِ حیات پیے

یا پھر کچھ اور جتن کرے۔ جب خود کے ملک کے لوگوں کو بیماریوں نے ایسے تپس دیا ہو جیسے چلی گندم کے دانوں کو جیتی ہے۔“ شہزادے نے یہ سن کر آنکھیں بند کر لیں۔

مچھلی پھر کہنے لگی: ”کسی بھی ملک کے حکم ران کو یہ بات نہیں سچی کہ بہترین مشروبات اور لذیذ کھانوں سے اپنا پیٹ بھرے اور عوام ایک وقت دال چٹنی کھائیں اور دوسرے وقت پیٹ پر پتھر باندھیں۔ وہ اپنے جسم پر اطلس و ریشم کی نمائش کرتا پھرے جب کہ اس کے ملک کی رعایا کے جسم پر کپڑا نام کی بھی کوئی چیز نہ ہو اور ان کے جسم سردی سے ٹکڑ رہے ہوں۔ جیسے کہ اکاوا کے سوکھے پتے اور دھوپ میں ان کے جسم ایسے جھلس کر کالے ہو گئے ہوں جیسے توے کی کالونچ۔ شہزادے! تمام باتوں کو دھیان میں رکھو اور پھر اگر چاہو تو بے شک آپ حیات بینا۔“ شہزادے کی آنکھوں سے پچھتاوے کے آنسو جاری ہو گئے۔ مچھلی غوطہ لگا کر چلی گئی۔ شہزادے کی گردن شرم سے جھک گئی وہ اٹنے قدموں پلٹا اور غار سے نکل گیا۔ دوستوں کو آکر نیند سے جگایا اور انھیں ساتھ لے کر اسی وقت محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن شہزادے نے اعلان کیا: ”میرے ملک کا کم زور ترین آدمی بھی میرے لیے طاقت ور ترین ہے۔ یہاں تک کہ میں اُس کے سارے حق نہ لے کر دوں، اور میرے ملک کا طاقت ور سے طاقت ور آدمی تب تک میرے لیے کم زور ترین ہے، جب تک میں اُس سے وہ سارے حق نہ چھین لوں جو اُس نے دوسروں سے زبردستی ہتھیا لیے ہیں۔“ کہتے ہیں کہ اس کے بعد شہزادے مہران کے ملک میں نہ کبھی قحط پڑا اور نہ ہی کسی کے ساتھ ظلم ہوا۔ شہزادے مہران نے پورے پانچ برس حکومت کی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو ملک کا ہر بچہ ہچکیاں لے لے کر ایسے رو رہا تھا جیسے اُس سے اُس کا پسندیدہ کھلونا چھین لیا گیا ہو۔ ہر عورت ایسے بن کر رہی تھی جیسے اُس کا جوان شوہر مر گیا ہو اور ہر مرد کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے جیسے اس کے جوان بیٹے کی ناگہانی موت ہو گئی ہو۔

دوسرے دن دربار میں بوڑھے، جوان، بچے جمع ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ شہزادہ مہران کی یاد میں کوئی ایسا مینار بنائیں جو ہمیشہ یادگار رہے۔ کسی نے کہا کہ کیوں نہ ایسا قیمتی سنگ جاری کریں جو اپنی قیمت اور بناوٹ کے لحاظ سے دائمی یادگار بن جائے۔ کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ، پر سب سے عقل مندی کی بات ایک بزرگ نے کہی۔ اس نے کہا: ”شہزادہ مہران ہم سب کے لیے رحم و انصاف کا بادل تھا ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسی چیز اُس کے نام سے منسوب کریں جو ہم سب کے زندہ رہنے کا باعث ہو، جو قائم و دائم ہو اور وہ چیز ہے یہ ہمیشہ سے ’بہتا دریا‘ اگر یہ نہ ہوتا تو ’سندھ‘ ویران اور بنجر ہو جاتا۔“ سب نے ”واہ واہ“ کی۔ اور اُس دن سے اس دریا کا نام ”مہران“ پڑ گیا۔ ملاج نے بات پوری کی تو کشتی بھی آکر دوسرے کنارے لگی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور ملاج کو کرایہ دے کر ایک محبت بھری نگاہ مہران پر ڈالی جس میں آپ حیات ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور پھر اپنے راستے پر روانہ ہو گیا۔

(۱) ازلہ آبی حیات
(۲) رحم و انصاف کا بادل تھا ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسی چیز





سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) شہزادے مہران میں کون کون سی خوبیاں تھیں؟
- (ب) شہزادے نے اپنے ساتھیوں کو کیا جواب دیا؟
- (ج) وزیر زادے نے آپ حیات کی کیا خاصیت بیان کی؟
- (د) غار میں شہزادے مہران کی ملاقات کس سے ہوئی؟
- (ه) مچھلی نے شہزادے کو کیا نصیحت کی؟
- (و) شہزادے کی موت پر ہر آنکھ کیوں اشک بار تھی؟
- (ز) دریا کا نام مہران کیوں رکھا گیا؟
- (ح) اس کہانی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

سوال نمبر ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) انسان کے ہاتھ میں ہے: (الف) تدبیر (ب) تقدیر (ج) تقریر (د) تعبیر
- (۲) آپ حیات پینے سے مل جاتی ہے: (الف) ابدی بادشاہت (ب) ابدی حیات (ج) ابدی عزت (د) ابدی دولت
- (۳) شہزادے مہران کے نام سے منسوب کیا گیا: (الف) سکہ (ب) مینار (ج) محل (د) دریا
- (۴) شہزادے نے ہمیشہ کی زندگی پائی: (الف) آپ حیات پی کر (ب) حکومت کر کے (ج) لوگوں کی خدمت کر کے (د) جنگ کر کے
- (۵) انسان کی روح کا آئینہ ہوتی ہے: (الف) آنکھ (ب) زبان (ج) سوچ (د) ہم دردی

سوال نمبر ۳: درج ذیل الفاظ میں متضاد اور مترادف جوڑے الگ الگ کر کے لکھیے:

کالا، سیاہ	موت، زندگی	بوڑھا، جوان	دن، رات	خفگی، تری	نیکی، اچھائی	شرم، حیا
------------	------------	-------------	---------	-----------	--------------	----------

سوال نمبر ۴ : درج ذیل عبارات کی تشریح بہ حوالہ متن کیجیے:

(الف) ”اب یہ یقین کرنے کے لیے کہ نیکی تمہارا پھل ہے یا بدی، اس پانی میں دیکھو۔ اس پانی میں بھی اور اُس پانی میں بھی جو انسان کی آنکھوں میں ہوتا ہے۔“

(ب) ”اگر تمہاری روح پاک ہے تو پھر تمہیں کسی بھی آپ حیات کی ضرورت نہیں۔“

سوال نمبر ۵ : درج ذیل الفاظ اور محاورے اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ہوا سے باتیں کرنا	اماوس	ڈھیر ہونا	حلال کرنا	مصمم ارادہ کرنا
-------------------	-------	-----------	-----------	-----------------

سرگرمیاں

طلبہ کمرہ جماعت میں دو کرداروں خضر اور الیاس پر روشنی ڈالیں گے۔

طلبہ اس کہانی کو ڈرامے کی صورت میں پیش کریں گے۔

طلبہ اس سبق سے ملتی جلتی کوئی اور کہانی منتخب کریں گے اور کمرہ جماعت میں سنائیں گے۔

لوک کہانیاں نظم میں بھی ہوتی ہیں اور نثر میں بھی، لوک کہانیاں عوام کے خیالات کی ترجمان ہوتی ہیں، تحریری شکل کے بہ جائے سینہ بہ سینہ دوسری نسل تک پہنچتی ہیں۔

برائے اساتذہ

طلبہ کو اس کہانی کے کردار خضر اور الیاس کے بارے میں تفصیل سے معلومات فراہم کیجیے۔

طلبہ کو روزمرہ اور محاورے کا فرق سمجھائیے۔

آغا حشر کاشمیری



پیدائش: ۱۳ - اپریل ۱۸۷۹ء امرتسر

وفات: ۲۸ - اپریل ۱۹۳۵ء لاہور

تصانیف: خوابِ ہستی، رستم و سہراب، مرید اشک، اسیرِ حرص، سفید خون

میدانِ جنگ

باب: تیسرا - سین: چھٹا

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) نثر کر بات / کہانی / مکالمے کی جزئیات کو ترتیب سے یاد رکھ سکیں اور اسے دہرائیں۔ (۲) کسی نثری تحریر پر استحضانی گفتگو کر سکیں۔ (۳) درسی کتاب میں شامل اصلاحی، تاریخی، تفسیری، سائنسی اور مزاحیہ مضامین کا تقابلی جائزہ کر سکیں۔ (۴) ادبی کتب کا مطالعہ کر کے کسی مطلوبہ شخصیت کے حالات جمع کر سکیں۔ (۵) کسی ادبی فن پارے کا مرکزی خیال بیان کر سکیں، تشریح کر سکیں اور اہم نکات کا خلاصہ کر سکیں۔ (۶) تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (ڈائری، رپورٹ، انشائیہ، کہانی، افسانہ وغیرہ) کا مناسب انتخاب کر کے پیش کر سکیں۔

(رستم اُداس چہرے اور غم گین دل کے ساتھ مایوس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔)

پروردگار! میں نے کبھی تیرے قہر و غضب کو حقیر نہیں سمجھا۔ کبھی تیری طاقت کے سامنے اپنی فانی طاقت کا غرور نہیں کیا، پھر اس ذلت کی شکل میں تو نے مجھے میرے گناہ کی سزا دی ہے۔ اوہ۔ دردمندوں کی دوا اور کم زوروں کی طاقت، اے ناامیدوں کی امید! میں نے کل ساری رات تیرے حضور میں سجدہ ہائے نیاز کے ساتھ آنسو بہا کر مدد کے لیے التجا کی ہے۔ اپنے عاجز بندے کی التجا قبول کر۔ اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری شرم رکھ۔ اور ایک بار میری جوانی کا زور و جوش مجھے واپس کر دے۔

(سہراب کا داخلہ)

صبح ہوگئی۔ ممکن ہے کہ آج کی صبح اس کی زندگی کی شام ثابت ہو۔ نہ جانے کیا سبب ہے کہ اس کی موت کا خیال آتے ہی میری روح کانپ اٹھتی ہے۔ (رستم کو دیکھ کر) تو آگیا۔ جنگ کے نقارے کی پہلی چوٹ سے تیری نیند ٹوٹ گئی۔

رستم: بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا۔ میں آدھی رات سے صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

سہراب: شیر دل بوڑھے! میرا دل تیری موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک غیبی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے۔ اگر ایران کی گود بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے، تو جا واپس جا، اور اپنے عوض کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج دے۔ میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

رستم: کل کی اتفاقی فتح پر غرور نہ کر۔ ہر نیا دن انسان کے لیے نئے انقلاب لے کر آتا ہے۔ تقدیر کا پہیا ہمیشہ ایک ہی سمت میں نہیں گھومتا۔

گھڑی بھر میں بدلنا ہوگا تجھ کو پیر ہن اپنا
مہکا کر پاس رکھ لے جنگ سے پہلے کفن اپنا

(جنگ شروع ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہراب ہاتھ روک لیتا ہے۔)

سہراب: آج میں تجھ میں نیا جوش اور نئی قوت دیکھ رہا ہوں، جواں ہمت بوڑھے! مجھے پھر شک ہوتا ہے کہ تو رستم ہے۔ میں تجھے تیری عزت کا واسطہ اور تیری بہادری کی دہائی دے کر ایک بار پھر تیرا نام پوچھتا ہوں۔ زور سے نہیں منت سے غرور سے نہیں عاجزی سے۔

رستم: تو میرا نام ہی جاننا چاہتا ہے تو سن میرا نام ہے۔۔۔۔۔

سہراب: (خوشی کی گھبراہٹ سے) رستم۔

رستم: نہیں سہراب کی موت۔

سہراب: افسوس تو نے میرے رحم کی قدر نہ کی۔

(دوبارہ جنگ ہوتی ہے۔ رستم، سہراب کو گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھتا ہے۔)

رستم: بس اسی ہمت اسی طاقت پہ تھا اتنا غرور
تُو کوئی شیشہ نہ تھا کیوں ہو گیا پھر چُور چُور
کیا ہوا زور جوانی اٹھ اجل ہے گھات میں
دیکھ لے اب، کس قدر قوت ہے بوڑھے ہاتھ میں

(سہراب کے سینے میں خنجر بھونک دیتا ہے۔)

سہراب: آہ۔ اے آنکھوں۔ تمہارے نصیب میں باپ کا دیدار نہ تھا۔ کہاں ہو پیارے باپ کہاں ہو۔ پیارے

باپ کہاں ہو۔ آؤ۔ آؤ۔ کہ مرنے سے پہلے تمہارا سہراب تمہیں ایک بار دیکھ لے۔

رستم: کیا اپنی جوانی کی موت پر ماتم کرنے کے لیے باپ کو یاد کر رہا ہے۔ اب تیرے باپ کی محبت، اس کی دعا، اس کے آنسو۔ اس کی فریاد۔ کوئی تجھے دنیا میں زندہ نہیں رکھ سکتی۔

مرہم کہاں جو رکھ دے دل پاش پاش پر
آیا بھی وہ تو روئے گا بیٹے کی لاش پر

سہراب: بھاگ جا۔ بھاگ جا۔ اس دنیا سے کسی دوسری دنیا میں بھاگ جا۔ تو نے سام و نریمان کے خاندان کا چراغ بجھا دیا ہے۔ تاریک جنگلوں میں، پہاڑوں میں، سمندر کی تہ میں کہیں بھی جا کر چھپے۔ لیکن میرے باپ رستم کے انتقام سے نہ بچ سکے گا۔

رستم: (چونک کر) کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیا کہا؟ کیا کہا؟ تو رستم کا بیٹا ہے؟

سہراب: ہاں۔

رستم: تیری ماں کا نام؟

سہراب: تہمینہ۔

رستم: تیرے اس دعوے کا ثبوت؟

سہراب: ثبوت، میرے اس بازو پر بندھی ہوئی میرے باپ رستم کی نشانی!

رستم: جھوٹ ہے، غلط ہے، تو دھوکا دے رہا ہے۔ مجھے پاگل بنا کر اپنے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ (گھبراہٹ کے ساتھ سہراب کے بازو کا کپڑا پھاڑ کر اپنا دیا ہوا مہرہ دیکھتا ہے) وہی مہرہ، وہی نشانی (سرچک کر) کیا کیا۔ کیا کیا۔ اندھے۔ پاگل، جلاد۔ یہ کیا کیا۔ شیر جیسا خوں خوار، بھیڑیے جیسا ظالم، رچکھ جیسا موذی حیوان بھی اپنی اولاد کی جان نہیں لیتا۔ لیکن تو انسان ہو کر حیوان سے بھی زیادہ خونی اور جہنم سے بھی زیادہ بے رحم ہے۔

خون میں ڈوبا ہے وہ جس سے مزا جینے میں تھا
دل کے بدلے کیا کوئی پتھر ترے سینے میں تھا
توڑ ڈالا اپنے ہی ہاتھوں سے او ظالم! اُسے
تیرا نقشہ، تیرا ہی چہرہ جس آئینے میں تھا

سہراب: فتح مند بوڑھے! تو رستم نہیں ہے پھر میری موت پر خوش ہونے کے بدلے اس طرح کیوں رنج کر رہا ہے۔

رستم: (رو کر) اس دنیا میں رنج اور آنسو۔ رونے اور چھاتی بیٹنے کے سوا میرے لیے اب اور کیا باقی رہ گیا ہے۔ میں نے تیری زندگی تباہ کر کے اپنی زندگی کا ہر ایک عیش اور اپنی دنیا کی ہر ایک خوشی تباہ کر دی۔ (سہراب کے پاس زمین پر گر پڑتا ہے اور سہراب اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چھاتی سے لپٹ جاتا ہے۔)

سہراب: بابا۔ میرے بابا!

رستم: ہائے میرے لال! تو نے الفت سے، نرمی سے، ممت سے کتنی مرتبہ میرا نام پوچھا۔ اس محبت و عاجزی کے ساتھ پوچھنے پر لوہے کے ٹکڑے میں بھی زبان پیدا ہو جاتی۔ پتھر بھی جواب دینے کے لیے مجبور ہو جاتا، لیکن اس دو روزہ دنیا کی جھوٹی شہرت اور اس فانی زندگی کے فانی غرور نے میرے ہونٹوں کو ہلنے کی اجازت نہ دی۔

سہراب: پیارے باپ! میری بد نصیب ماں سے کہنا کہ انسان سب سے لڑ سکتا ہے قسمت سے جنگ نہیں کر سکتا۔ آہ۔۔۔۔۔ (رستم کی گود سے زمین پر گر کر آنکھیں بند کر لیتا ہے)

رستم: یہ کیا۔ میرے بچے، آنکھیں کیوں بند کر لیں۔ کیا خفا ہو گئے! کیا ظالم کی صورت نہیں دیکھنا چاہتے!

میرے بچے، یوں نہ جا مجھ کو تڑپتا چھوڑ کے
میرے دل، میرے جگر! میری کمر کو توڑ کے
ہائے کیا کیا آرزو تھی زندگانی میں تجھے
موت آئی پھولتی پھلتی جوانی میں تجھے

سہراب: ماں۔۔۔۔۔ خدا۔۔۔۔۔ تمہیں۔۔۔۔۔ تسلی دے!

رستم: اور۔۔۔۔۔ بیٹا بولو۔ بولو۔ چپ کیوں ہو گئے! آہ۔ آہ۔ اس کا خون سرد ہو رہا ہے۔ اس کی سانسیں ختم ہو رہی ہیں۔ اے خدا۔ اے کریم و رحیم خدا! اولاد باپ کی زندگی کا سرمایہ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین۔ اپنی دنیا کا قانون بدل ڈال۔ اس کی موت مجھے اور میری باقی زندگی اُسے بخش دے۔ موت۔ موت! تو میری تہینہ کا بولتا کھیلتا ہوا کھلونا کہاں لے جا رہی ہے۔ دیکھ، میری طرف دیکھ! میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو تاج و تخت کی بھیک دی ہے۔ آج ایک فقیر کی طرح تجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں:

پھینک دے جھولی میں تو میرے گلِ شاداب کو
ہاتھ پھیلائے ہوں میں، دے دے مرے سہراب کو

سہراب: (آنکھیں بند کیے ہوئے) دنیا۔ رخصت۔ خدا۔۔۔۔۔ (مر جاتا ہے)

رستم: آہ! جوانی کا چراغ، آخری پنکھی لے کر بجھ گیا۔ بے رحم موت نے میری امید کی روشنی لوٹ لی۔

اب لاکھوں چاند، ہزاروں سورج مل کر بھی میرے غم کا اندھیرا دور نہیں کر سکتے۔ آسمان! ماتم کر، زمین! چھانی پیٹ۔ درختو، پہاڑو، ستارو! ٹکرا کر چور چور ہو جاؤ۔ آج ہی زندگی کی قیامت ہے۔ آج ہی دنیا کا آخری دن ہے۔ زندگی۔ دنیا۔ کہاں ہے زندگی؟ کہاں ہے دنیا؟ زندگی سہراب کے خون میں اور دنیا رستم کے آنسوؤں میں ڈوب گئی (دیوانوں کی طرح پکارتا ہے) سہراب۔ سہراب۔ سہراب! (غش کشا کر گر پڑتا ہے)۔

(نمودہ از: رستم و سہراب)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) رستم نے خدا کے حضور کیا دعا کی تھی اور اس دعا کا کیا انجام ہوا؟
- (۲) سہراب نے رستم کو کیا پیش کش کی اور رستم نے اس پیش کش کا کیا جواب دیا؟
- (۳) یہ جاننے کے بعد سہراب، رستم ہی کا بیٹا ہے، رستم کی کیا کیفیت ہوئی؟
- (۴) سہراب اپنے مقابل یعنی رستم کی موت کیوں نہیں چاہتا تھا؟
- (۵) سہراب کی موت پر رستم کے جذبات اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۲: ذیل کے الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

سجدہ ہائے نیاز	قہر و غضب	چراغ بجھانا	موذی	محبت و عاجزی	گل شاداب
----------------	-----------	-------------	------	--------------	----------

سوال نمبر ۳: مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح بہ حوالہ سیاق و سباق کیجیے:

”اولاد باپ کی زندگی کا سرمایہ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین۔“

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) رستم، سہراب کا تھا:

(الف) چچا	(ب) باپ	(ج) ماموں	(د) دادا
-----------	---------	-----------	----------
- (۲) سہراب رستم سے بار بار پوچھ رہا تھا:

(الف) اس کا گاؤں	(ب) اس کا قبیلہ	(ج) اس کا نام	(د) اس کی ذات
------------------	-----------------	---------------	---------------
- (۳) رستم نے اللہ سے دعا میں اپنے لیے مانگا تھا:

(الف) غلبہ	(ب) مالِ غنیمت	(ج) جوانی کا زور	(د) جیون
------------	----------------	------------------	----------

- (۴) رستم اور سہراب کا تعلق ہے:
- (الف) ایران سے (ب) ہندوستان سے (ج) عرب سے (د) افغانستان سے
- (۵) ہر نیا دن انسان کے لیے لے کر آتا ہے:
- (الف) نئی امید (ب) نئے لوگ (ج) نیا موقع (د) نیا انقلاب

سرگرمیاں

- 🔴 طلبہ کو ٹی وی ڈراما دیکھ کر جماعت میں اس ڈرامے کی کہانی اور اس کے بنیادی خیال پر اظہارِ رائے کریں گے۔
- 🔴 طلبہ اضافی مطالعے کے ذریعے آغا حشر کاشمیری کے حالاتِ زندگی جمع کر کے کمرہٴ جماعت میں پیش کریں گے۔

🔵 ڈراما یونانی لفظ ”ڈراؤ“ (Drao) سے مشتق ہے جس کے معنی ”عمل یا اداکاری“ یا دوسرے لفظوں میں کچھ کر کے دکھانے کے ہیں۔ ڈراما ایک کہانی ہے جو اداکاروں کے ذریعے ناظرین کے روبرو عملاً پیش کی جاتی ہے۔ بہ الفاظِ دیگر ڈراما ایک نقالی ہے جو حرکت اور تقریر کے وسیلے سے کی جاتی ہے۔

برائے اساتذہ

- 🔴 طلبہ کو ڈرامے کے اجزاء ترکیبی سے آگاہ کیجیے۔
- 🔴 طلبہ کو ڈرامے کی معاشرتی اہمیت سے واقفیت دیجیے۔

انتیاز علی تاج



پیدائش: ۱۳ - اکتوبر ۱۹۰۰ء، لاہور

وفات: ۱۹ - اپریل ۱۹۷۰ء، لاہور

تصانیف: انارکلی، چچا چھکن، بیبت ناک افسانے

بیگم کی بلی (تمثیل)

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) درسی تحریر (نثر) کو اوصاف بلند خوانی (صحت تلفظ، لب و لہجہ، رموز و اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۲) کھیلوں اور معاشرتی مسائل پر اخبار کے مدیر/متعلقہ محکمے کو رپورٹ لکھ کر بھیج سکیں۔ (۳) غلط فقرات کی قواعد کے لحاظ سے درستی کر سکیں۔ (۴) کسی ادبی فن پارے کا مرکزی خیال بیان کر سکیں، تشریح کر سکیں اور اہم نکات کا خلاصہ کر سکیں۔

امیدوار: میاں یہ ہے وہ بلی۔

میاں: (غصے کی دہی ہوئی آواز میں) چپ، احمق کہیں کا، اتنے زور سے بولتا ہے۔

امیدوار: زور سے بولا تھا میں؟

میاں: پھر وہی۔ ارے نامعقول، آہستہ بول آہستہ!

امیدوار: (آہستہ سے) بات کیا ہے؟

میاں: تجھے بات سے کیا مطلب؟ جو کچھ کہا ہے کر دے۔

امیدوار: بلی تو کالی سیاہ ہو رہی ہے۔ تھی کہاں یہ؟

میاں: کونکوں کی کوٹھری میں۔

نہیں مانے گا۔ آہستہ، آہستہ بول۔ کل رات ہم اسے بہت دور چھوڑ آئے تھے۔ لیکن واپس چلی آئی کم بخت۔ اس کے واپس آنے کے بعد ہم چاہتے تھے، اسے بیگم صاحبہ سے چھپا کر رکھنا۔ اس لیے کونکوں کی کوٹھری میں بند کر دی تھی۔

امیدوار: تو بیگم صاحبہ کی بلی ہے یہ ؟

میاں: بڑی چہیتی۔

امیدوار: بلی کو تو میاں ! کتنی ہی دور لے جا کر چھوڑو گھر واپس آجاتی ہے۔

میاں: مگر اب کے تو نہ آئے گی۔ تو سمجھ گیا ہے نا، اپنا کام !

امیدوار: ہاں ہاں میاں ! سمجھتا کیوں نہ ؟

میاں: مگر دیکھو زیادہ دکھ نہ پہنچائیو اسے۔ بڑی نرمی سے کام تمام کیجیو۔

امیدوار: اور اگر ----

میاں: اگر مگر کچھ نہیں۔ پسج نہ جانیو کہیں۔ ہم چاہتے ہیں اب کے یہ قصہ ہی تمام ہو جائے۔

امیدوار: اور میاں کسی نے دیکھ لیا تو ؟

میاں: دیکھ لیا کے بچے۔ تو اس وقت سن لیا کی فکر رکھ۔ کسی نے دیکھ لیا تو کون سا تجھے سولی پر لٹکا دے گا۔ ایسا ہی خوف ہے تو چل رات کو سہی۔

امیدوار: اور میاں اس کام کا انعام ۔

میاں: ---- اٹھتی ---- یہ ----

امیدوار: اٹھتی ---- اٹھتی کے لیے یہ خون۔ نا میاں ! مجھے نہیں منظور۔

میاں: اور کیا اپنا سر لے گا۔ ایسی عام بلی کے لیے اٹھتی تھوڑی رقم ہے۔

امیدوار: یہ بڑی عام سی بلی سہی۔ میرے سینے میں تو دل ہے۔ قیامت کے دن اللہ میاں کو منہ کیا دکھاؤں گا۔

میاں: تو پھر بول بھی چک، لے گا کیا ؟

امیدوار: میاں ایک تو میں ہوں انسان نرم دل۔ دوسرے قتل خون میرا پیشہ نہیں۔ میں تو آپ جانے باورچی گیری کی امید میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ سنا تھا آپ کو باورچی کی ضرورت ہے۔ اس معاملے میں آپ نے دے دیا ٹکا سا جواب۔ اس لیے اب اس خدمت کے لیے تو۔۔۔

میاں: یہ بول کہ لے گا کیا ؟

امیدوار: پانچ کا نوٹ دلوا دیجیے۔

میاں: پانچ کا نوٹ، سر پھر گیا ہے؟

امیدوار: تو آپ کی مرضی۔ نہ سہی!

میاں: تو بہت سے بہت ایک روپیا لے لے۔

امیدوار: نامیاں! بیگم صاحبہ کی بلی ہے۔ میں تو پانچ روپے سے کوڑی کم نہیں لینے کا۔

میاں: ارے مگر۔۔۔۔۔ پانچ روپے۔۔۔۔۔

بیگم: (دور سے) اجی! کہاں گئے؟

میاں: (گھبرا کر) بیگم صاحبہ آگئیں۔ لے تو یہ پانچ ہی کا نوٹ لے لے اور بھاگ جا۔ بلی کو کپڑے کے نیچے چھپا لے۔ کسی کو اس کی جھلک بھی نظر نہ آنے پائے اور دیکھ نشان تک نہ ملے بلی کا۔ ادھر سے جا پچھلے راستے سے ہمارے غسل خانے میں سے نکل جا۔

امیدوار: پر میاں!۔۔۔۔۔ اگر زہر سے کام کروں تو۔۔۔۔۔

بیگم: (دور سے) کہاں ہو؟

میاں: (بیگم سے) یہ رہا (امیدوار سے) اب جا بھی چک کہیں۔

امیدوار: بس میں گیا۔ وہ میں نے کہا تو میاں میرے لیے کہیں نوکری کی سفارش۔۔۔۔۔؟

میاں: پانچ روپے لے کر بھی نوکری کی سفارش۔ بھاگ یہاں سے۔

(امیدوار جاتا ہے۔ میاں کھٹکھارتا ہے۔ بیوی آتی ہے۔)

بیگم: (آتے ہوئے) یہاں ہو؟ چھپ کر بیٹھے ہو۔ ذرا خیال نہیں میرے صدمے کا۔

میاں: بس آ ہی رہا تھا۔ تمھاری طرف۔

بیگم: (آہ بھر کر) کیا کروں۔ میرا تو دل بیٹھا جاتا ہے۔

میاں: دل۔۔۔۔۔۔۔

بیگم: جس پرچ میں وہ دودھ پیا کرتی تھی، برآمدے میں اوندھی پڑی ہے۔ دیکھتی ہوں تو ہوکیں اٹھتی ہیں دل میں۔

میاں: واہ! یہ بھی کوئی بات ہے صدے کی؟

بیگم: جس ٹوکری کے اندر گدیے پر آرام کیا کرتی تھی آج ویران پڑی ہے۔

میاں: تو معمولی بات ہے اس ٹوکری میں تم ---- میں ---- مثلاً آلو رکھنے شروع کر دو۔

بیگم: دل دکھانے کی بات نہ کرو۔ مجھے اب تک امید ہے کہ وہ واپس آجائے گی۔

میاں: امید! جی تو نہیں چاہتا کہ تمہیں مایوس کروں۔ لیکن کیا کیا جاسکتا ہے۔ (آہ بھر کر) اس کی واپسی کی امید خیال خام ہے۔

بیگم: کیا مطلب؟

میاں: ابھی ابھی بازار کا ایک آدمی میرے پاس ہو کر گیا ہے۔ اس نے ایک اطلاع دی ہے۔ تم اپنے آپ کو ایک افسوس ناک خبر سننے کے لیے تیار کر لو۔

بیگم: افسوس ناک خبر! میرا تو دل دھک دھک کرنے لگا۔ کیا خبر ہے وہ؟

میاں: (رقت سے) ہماری غریب مسکین بلی ایک قصاب کی دکان کے سامنے کھڑی چھچھڑوں کے خواب دیکھ رہی تھی، کہ بے رحم قصاب نے اُسے عدم کا راستہ دکھا دیا۔

بیگم: ہے ہے! -----

میاں: (رقت سے) ایک موٹر اس کا کام تمام کرتی ہوئی اس پر سے گزر گئی۔

بیگم: میرے اللہ! -----

میاں: (آہ بھر کر) اطمینان کے لیے بس اتنی سی بات ہے کہ جس موٹر نے بلی کو کچلا وہ رولس رائس کار تھی۔

بیگم: (سسکیاں لیتے ہوئے) اور لاش کیا ہوئی دکھیا کی؟

میاں: لاش کہاں رہی، بیگم! اس کا قیمہ بن گیا۔ جو شخص خبر دینے آیا تھا اس بے چارے نے خبر پہنچانے سے پہلے اس فتنے کو سمیٹ کر اپنی دکان کے پچھواڑے دفن کر دیا۔

بیگم: (زور زور سے سسکیاں بھرنے لگتی ہے۔)

میاں: جو بے چارہ شخص خبر دینے آیا تھا، وہ غریب جب واقعہ بیان کر رہا تھا تو اُس کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔

بیگم: (اور زور سے رونے لگتی ہے)

میاں: ہائیں ہائیں، بیگم! حوصلہ کرو۔ اس کی قضا آئی تھی مرگئی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی۔ مشیتِ ایزدی میں کس کو دم مارنے کی مجال ہے۔ ہائیں ہائیں۔ کسی نوکرنے روتے دیکھ لیا، تو کیا جی میں کہے گا۔ نہ جانے دل میں کیا سمجھ بیٹھے۔ لو پونچھ ڈالو آنسو۔ کل تم کہہ رہی تھیں کہ آج صبح خرید و فروخت کے لیے بازار جانا ہے۔ مجھے اس وقت بیٹھ کر مضمون لکھنا ہے، کار خالی ہے۔ جاؤ بازار ہو آؤ۔

بیگم: (سسکیاں لیتے ہوئے) میں کیوں کر بازار جاؤں جب جب جب۔ جب میری بلی کا۔ کا۔ تو قیمہ۔۔۔

میاں: ارے تو اب کیوں اسے یاد کیے چلی جارہی ہو؟ ایک بات تھی، ہو گئی۔ اب بھول جاؤ بات کو۔ بھلا دیکھیں تو مسکراتی کیوں کر ہو۔ دیکھو یہ منہ چھپانا ٹھیک بات نہیں۔ اچھا اگر بازار میں خریداری کے لیے کچھ رقم بھی تمہاری نذر کر دیں تو۔ اے! یہ لوٹ، ارے دیکھو! یہ تو دس روپے کا ہے۔ دس روپے کا۔ بولو تو بھلا ان دس روپوں کا لاؤ گی کیا؟ بھئی، یہ بات ٹھیک نہیں۔ تم تو بولتی نہیں۔ اچھا، ہم بتائیں! ان روپوں میں سے جناب! ایک تو آپ لے آئیے سینٹ اور جناب من۔۔۔۔۔

بیگم: تو پھو۔۔۔۔۔ پھو۔۔۔۔۔ پھو۔۔۔۔۔

میاں: ٹھکنی لاؤ گی؟ اچھی بات، شوق سے لے آؤ۔

بیگم: (روتے میں ہنس پڑتی ہے) بڑے اچھے لگتے ہیں۔

میاں: ہنس پڑیں نا۔ یہ بات!

بیگم: بات ہی ایسی الٹی کرتے ہو۔ میں کہہ رہی تھی پھول لاؤں گی۔

میاں: پھول کیسے؟

بیگم: بلی کی قبر پر چڑھانے کو۔

میاں: پھر وہی بلی۔ ارے بھئی تھی۔ مر گئی۔ بھول جاؤ اب اس کو۔

(دیور داخل ہوتا ہے)

دیور: آداب عرض ہے بھائی جان۔ مزاج شریف! کیوں بھابی ارے کیا ہوا انھیں؟

بیگم: بھئی میری بے چاری۔۔۔۔۔

میاں: تم جانے دو میں سنا دوں گا سارا قصہ۔ تمہاری بھابی اصل میں ایک واقعے سے بڑی مضطرب ہو گئی ہیں۔

دیور: کیا واقعہ ہو گیا؟

میاں: ابھی بتاتا ہوں۔ تو بیگم تم جاؤ بازار ہو آؤ۔ گھوم پھر کر آؤ گی تو طبیعت آپ سے آپ بحال ہو جائے گی۔
لو آؤ دروازے تک چھوڑ آؤں۔

(دروازہ بند کرتا ہے)

دیور: قصہ کیا ہے؟

میاں: اماں کچھ نہ پوچھو۔ اس کم بخت بلی نے مصیبت ڈال رکھی ہے۔

دیور: بھابی کی بلی۔

میاں: ہاں!

دیور: تو کیا ہوا اُسے؟

میاں: امید ہے اب تک وفات پا چکی ہو گی۔

دیور: وفات۔ اور یہ ”امید ہے“ کے کیا معنی۔

میاں: اندازہ ہے میرا۔

دیور: بے چاری بلی۔

میاں: اب جناب اپنی ہم دردی اس بلی پر صرف نہ کیجیے۔ مجھ سے ہم دردی کیجیے۔ اس گھر میں آئے ایک مہینے کا عرصہ ہوا تھا۔ قسم لے لو جو اس سارے مہینے میں مجھے راحت کا ایک پل نصیب ہو۔

دیور: کیا باتیں کرتے ہیں، بھائی جان!

میاں: باتیں! اماں اس کم بخت نے میرا جینا دو بھر کر دیا تھا۔

دیور: وہ کیوں کر؟

میاں: سب سے پہلے تو میری بیوی کو چھین کر اپنا بنالیا۔ یعنی بہ خدا جب سے وہ سبز قدم گھر میں آئی تھی تمھاری بھابی کے لیے میں تو جیسے کوئی شے ہی نہیں رہا تھا۔

دیور: رہنے بھی دیجیے، بھائی جان!

میاں: تم سمجھتے ہو میں مبالغہ کر رہا ہوں۔ دیکھتے تو پتا چلتا۔ کہیں بلی کو دودھ پلایا جا رہا ہے، کہیں گوشت

کے تئے کھلائے جارہے ہیں۔ اس وقت کیا ہوا ہے بلی کو گیند سے کھیلتا دیکھ رہی ہیں۔

دیور: ہو جاتا ہوگا دن میں ایک آدھ گھنٹا یہ شغل۔

میاں: ارے! مگر شغل کے لیے کوئی بھلی مانس خاندانی بلی ہو۔ وہ تو ایک چھٹی ہوئی بلی تھی۔ پچھلے مہینے کم بخت نے ایک چوہا پکڑ کر میرے تازہ ترین افسانے کے اوراق پر اس کا ناشتا کیا۔

دیور: تو آپ جان در سے بھی عقل کی توقع رکھتے ہیں؟

میاں: ارے بھئی، عقل نہ ہو، تمیز تو ہو! کیچڑ میں سے گھوم کر آتی اور نہایت بے تکلفی سے میرے اُجلے بستر پر چڑھ جاتی۔ ہم سائے نے مرغی کے بچے نکلوا رکھے تھے۔ ان کے دو چوزوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ ان سے پیٹ کا جہنم ڈرانگ روم میں بھرا۔ چناں چہ قالین پر خون آلودہ پروں کا ایک اور فرش بچھا ڈالا۔

دیور: تو پھر اب وہ ہے کہاں؟

میاں: جہاں تک میری ناقص فہم تخمینہ لگا سکتی ہے، وہ مسماۃ اس وقت دوسری دنیا کی سیاحت کے لیے رختِ سفر باندھ رہی ہے۔

دیور: وہ کیسے؟

میاں: بات یوں ہوئی کہ کل ہم نے دل میں طے کر لیا تھا کہ بھئی بہت عرصے صبر سے کام لیا۔ اب ہر چہ بادا باد۔ بلی اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ چناں چہ جنابِ من! کل رات ہم نے اس بلا کو چپکے سے اٹھایا اور موٹر میں بٹھا دریا کا راستہ پکڑا۔

دیور: اور بھابی جان کو پتا نہ لگا؟

میاں: یہ کارروائی اس وقت عمل میں لائی گئی تھی جب وہ سو گئی تھیں۔

دیور: پھر کیا ہوا؟

میاں: اسے دریا پر چھوڑ کر میں گھر آ گیا۔

دیور: چناں چہ اب آپ کا خیال ہے کہ وہیں دریا کے کنارے بلی غالباً مر کھپ چکی ہوگی۔

میاں: کہاں مر کھپ۔۔۔ وہ کم بخت تو پھر نازل ہوگئی۔

دیور: سچ!

میال: اور کیا جھوٹ بول رہا ہوں۔ صبح صبح اندھیرے منہ میاؤں میاؤں کی کریہہ آواز سن کر آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر دیکھتا ہوں تو دھری ہوئی ہیں۔ اب گھر کے دروازے تو بند تھے۔ غالباً کسی موری کے راستے گھس آئی تھی۔

دیور: پھر؟

میال: پھر کیا، خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ صبح صبح سمجھ میں بھی تو نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ اور کچھ تو سوچا نہیں۔ میں نے بلی کے منہ پر رومال باندھ اسے کونکوں کی کوٹھری میں بند کر دیا۔ سوچا منہ پر رومال بندھا ہونے سے اس کی آواز سنائی نہ دے گی۔ دن میں آرام سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں گے کہ اس سے دائمی نجات کیوں کر پائی جائے۔

دیور: تو بلی اب تک کونکوں کی کوٹھری میں بند ہے؟

میال: جی بند ہی تو ہے۔ یہاں صبح سے سوائے اس فکر کے دوسرا کوئی فکر نہ تھا کہ جب بیگم صاحبہ کو صدمہ بھی پہنچا لیا تو اب ٹھکانے لگاؤں اس بلی کو۔ اتفاق کی بات تھوڑی دیر ہوئی، ایک ملازمت کا امیدوار آگیا میرے پاس۔ شکل و صورت سے سمجھ دار اور چلتا ہوا آدمی نظر آتا تھا۔ اس سے باتیں کرتے کرتے اچانک خیال آیا کہ بلی کا کام اس کے ہاتھوں تمام کرانا چاہیے۔ چناں چہ چناب! ابھی تھوڑی دیر ہوئی وہ بلی کو لے کر گیا ہے، اور بیگم کو میں نے یہ کہہ کے ٹالا ہے، کہ بلی موٹر تلے آکر مر گئی۔

دیور: بھائی جان! سچ تو یہ ہے کہ آپ نے کسی قدر زیادتی کی ہے۔

میال: بلی سے زیادتی؟ اور مجھ سے کیا ہو سکتا تھا بھلا! اس ایک بلی کی بہ دولت میرا گھر غلیظ تھا۔ میرا اطمینان قلب غارت تھا۔ میرے تعلقات ہم سایوں اور کئی دوسرے لوگوں سے تو کیا، خود اپنی بیوی تک سے کشیدہ ہو گئے تھے۔ اور پھر کئی روپے بھی تو اٹھ گئے میرے۔ پانچ روپے۔۔۔۔

دیور: اس شخص کو دیے جو بلی کو ٹھکانے لگانے لے گیا ہے؟

میال: اور کیا! کم بخت اس سے کم پر کسی طرح مانتا ہی نہ تھا۔ اور پھر یہی پانچ تھوڑا اٹھے۔ تمھاری بھابی کا غم بہلانے کے لیے دس روپے خود ان کی نذر بھی تو کرنے پڑ گئے۔ کل پندرہ اٹھ گئے۔ پر مجھے نہیں افسوس روپے کا۔ پندرہ روپے میں امن اور سکون کی زندگی سستی ہے میں پندرہ روپے میں اس سے اچھا سودا اور کوئی نہ کر سکتا تھا۔

(میاؤں میاؤں کی آواز۔ بیگم بھاگی بھاگی اور خوشی کے جوش سے بے تاب آتی ہے)

بیگم: میں نے کہا، کہاں گئے! سنو تو۔ میں کار میں سوار ہو کر بیگلے سے نکل رہی تھی کہ دروازے پر

ایک بھلا مانس ملا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کار کو روک لیا۔ ڈرائیور سے پوچھا: ”کار میں بیگم صاحبہ ہیں؟“ اس نے کہا ہاں! تو جھٹ کپڑے تلے سے ایک چیز نکال میرے لیے پیش کی۔ پوچھو بھلا کیا؟ بلی اور بلی بھی کیسی ہو بہ ہو میری مرحوم بلی کی تصویر۔

بیگم: بس کسی کوئلے والے کے ہاں رہ کر کالی ضرور ہو گئی ہے۔ مگر نہا دھو کر بالکل مرحوم بلی جیسی ہو جائے گی۔

میاں: تو تم نے خدا نخواستہ لے تو نہیں لیا اُسے؟

بیگم: اور کیا (دیور کی دبی ہوئی ہنسی) جو دس روپے تم نے دیے تھے اس سے بلی تو خریدی ہے۔

میاں: دس روپے میں بلی!

بیگم: اور ساتھ بیچنے والے کو ملازم رکھ لیا۔

میاں: ملازم۔۔۔۔۔

(دیور کی ہنسی)

بیگم: بے چارہ بال بچے دار ہے۔ نوکری کی تلاش میں تھا۔ بے حد بھلا مانس ہے۔ ادھر کھڑا ہے۔

میاں: وہ بد معاش!

امیدوار: سلام میاں۔ آپ نے تو سفارش کے ایک پرزے سے بھی جواب دے دیا تھا۔ اللہ بیگم صاحبہ کو خوش رکھے۔ ان کی مہربانی سے آپ ہی کے قدموں میں جگہ مل گئی۔ (میاؤں میاؤں۔ دیور کی ہنسی)

بیگم: سنا۔ بلی آتے ہی گھر میں ایسی بے تکلفی سے پھرنے لگی گویا عرصے سے یہیں رہی ہے۔ میں بلاتی ہوں۔ پس پس پس!

(ماخوذ از ”سید امتیاز علی تاج کے ایک بابی ڈرامے“)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) بلی کا رنگ سیاہ کیسے ہوا؟

(۲) امیدوار نے بیگم کی بلی کو ٹھکانے لگانے کے لیے کتنی رقم طلب کی؟

(۳)

میاں بلی سے کیوں بے زار تھا؟

(۴)

میاں نے بیگم کو خریداری کے لیے کیوں بھیجا؟

(۵)

بیگم نے خریداری کی رقم کا کیا کیا؟

سوال نمبر ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱)

میاں کو گھر کے لیے ضرورت تھی:

(الف) ڈرائیور کی (ب) باورچی کی (ج) مالی کی (د) چوکیدار کی

(۲)

میاں نے بلی کو بند کر دیا تھا:

(الف) کمرے میں (ب) باورچی خانے میں

(ج) کونوں کی کٹھری میں (د) غسل خانے میں

(۳)

میاں نے بلی کو ٹھکانے لگانے کے لیے انعام مقرر کیا تھا:

(الف) آٹھنی (ب) ایک روپيا (ج) دو روپے (د) تین روپے

(۴)

میاں نے بیگم کو خریداری کے لیے دیے:

(الف) پانچ روپے (ب) دس روپے (ج) پندرہ روپے (د) بیس روپے

(۵)

بلی تو ہو رہی تھی:

(الف) لال سُرخ (ب) کالی سیاہ (ج) نیلی پیلی (د) لال گلابی

سوال نمبر ۳: ذیل کے الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

خیال خام	دم مارنا	مبالغہ آرائی	رحمتِ سفر	مشیتِ ایزدی	کشیدہ
----------	----------	--------------	-----------	-------------	-------

سوال نمبر ۴: آپ کو اس ڈرامے کا کون سا کردار پسند آیا، پسندیدگی کی وجہ بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۵: اس سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۶: مندرجہ ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ متن کیجیے:

(الف) ”بہ خدا جب سے وہ سبز قدم گھر میں آئی تھی تمہاری بھابی کے لیے میں تو جیسے کوئی شے ہی نہیں رہا تھا۔“

(ب) ”میرا اطمینانِ قلب غارت تھا۔ میرے تعلقات ہم ساریوں اور کئی دوسرے لوگوں سے تو کیا خود اپنی بیوی سے کشیدہ ہو گئے تھے۔“

سوال نمبر ۷: غلط فقرات کی درستی کیجیے:

(الف) یہ میاں ہے وہ بلی

(ب) سینے میں میرے تو دل ہے

(ج) سمجھتے تم ہو کر رہا ہوں میں مبالغہ آرائی

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ اپنے کالج میں ہونے والے کھیلوں کی رپورٹ تحریر کریں گے اور اپنے استاد کو دکھائیں گے۔
- ✦ اس سبق میں جو محاورے استعمال ہوئے ہیں انھیں نوٹ کر کے اپنے جملوں میں استعمال کریں گے۔

برائے اساتذہ

- ✦ طلبہ کو رپورٹ لکھنے کا طریقہ بتائیے۔
- ✦ طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے اور ضروری ہو تو اصلاح کیجیے۔



مستنصر حسین تارڑ

پیدائش: یکم مارچ ۱۹۳۹ء منڈی بہاؤ الدین
تصانیف: اندلس میں اجنبی، بہاؤ، قلعہ جنگلی، نکلے تری تلاش میں۔ شہپر

تھر کی نادیدہ کمانچی وہ اولپک گولڈ میڈل جیت سکتی تھی

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) استثنائی اور تنقیدی گفتگو سن کر سمجھ سکیں۔ (۲) کھیلوں اور معاشرتی مسائل پر اخبار کے مدیر/متعلقہ محکمے کو رپورٹ لکھ کر بھیج سکیں۔ (۳) نثر میں رموز و اوقاف کا درست استعمال کر سکیں۔ (۴) کہانی، انشائیہ یا مضمون وغیرہ لکھ سکیں۔ (۵) کسی سفر کا حال تفصیل سے بیان کر سکیں۔ (۶) ادب پارے کا مرکزی خیال، اہم نکات، نتائج، کردار یا واقعات کی تشریح استثنائی انداز اور ادبی پیرائے میں لکھ سکیں۔ (۷) متعلقہ فعل کی تفہیم و استعمال کر سکیں اور ان میں امتیاز کر سکیں۔

ہم نے آج بہت دور جانا تھا۔

ہم تنگ پیر کر کی جانب سفر کرتے تھے۔

اور پھر دیدہ دل نے حسب وعدہ اپنی پراڈو کا رخ موڑا اور دائیں جانب جو چٹانوں کا ایک عجوبہ سرخ جہاں تھا اس کے اندر کا سفر اختیار کیا۔۔ ہم کارو جھڑ کے چٹانی سلسلے کے اندر سفر کرتے گئے۔۔

عجب چٹانی سلسلہ تھا، صحراؤں کے درمیان میں آسٹریلیا کی الورو چٹان کی مانند شاید آسمانوں سے اترا ہوا مقدس چٹانی سلسلہ۔۔ بہ ظاہر خشک اور پھٹیل لیکن اس کے اندر خشک اور میٹھے پانیوں کے ذخیرے پوشیدہ تھے۔

اور تب ہم اس کی آخری بلندی پر پھیلی ہوئی ایک ہم دار سطح پر آگئے۔۔ یہاں سے آگے صرف چٹانوں کے انبار تھے۔

آس پاس بے آب و گیاہ چٹانی حصار بلند ہوتے تھے اور تیز ہوائیں۔ سسکیاں بھرتی تھیں۔۔۔

ہم واپس ہونے ہی کو تھے کہ ایک کھائی کی خاردار جھاڑیوں میں سے تین بچے بھٹنوں کی مانند نمودار ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں

میں درانٹیاں تھیں اور چہروں پر غربت اور صحرائی دھوپوں کی کالک ملی ہوئی تھی، ان کی شکلیں جلی ہوئی تھیں۔ ہمارے آس پاس منڈلاتے وہ تھری زبان میں فریادیں کرنے لگے اور دیدہ دل مُثرِ جم ہو گیا۔

”ہم ننگر پارکر کے بچے ہیں۔ ہم اس چٹانی سلسلے کی کوکھ میں اُگنے والے درختوں کی ٹہنیاں توڑتے ہیں، سُکھ چکی جھاڑیاں جمع کرتے ہیں اور اس ایندھن کو ننگر پارکر کے بازار میں فروخت کرتے ہیں۔“

”کتنے پیسے مل جاتے ہیں؟“

”کبھی دس بیس اور کبھی پورے سو روپے۔“

ان میں سے ایک بچی جو شاید آٹھ دس برس کی ہوگی، چہرہ دھوپ جلا اور ہونٹ سُکھے ہوئے، بدن پر ماس بہت کم، میلی کیلی بالکل جھجکتی نہ تھی، بے دھڑک اپنی درانٹی لہراتی ہوئی کچھ ہم سے کہتی تھی اور بلندی کی جانب اشارے کرتی تھی۔۔۔ دیدہ دل نے ترجمانی کی کہ ”سائیں یہ لڑکی کہتی ہے کہ اس چٹانی سلسلے کی جو بلند ترین چوٹی ہے وہاں جہاں ایک جھنڈا لہرا رہا ہے میں وہاں تک چٹانوں کو ٹاپتی کودتی صرف تین منٹ میں پہنچ سکتی ہوں اور جھنڈے کو ہاتھ لگا کر دو منٹ میں واپس آ سکتی ہوں۔“

یہ جلے ہوئے غربت زدہ چہرے والی لڑکی بہت کانیاں تھی، ہمیں بے وقوف بنارہی تھی۔۔۔ مجھے کچھ نہ کچھ تو اندازہ تھا کہ ایسی چٹانوں پر اترنا چڑھنا خالہ جی کا گھر تو نہ تھا، آسان کھیل نہ تھا، اس میں آسانی سے جان جاسکتی ہے۔۔۔ کوہ کارو جھگر کی وہ جو آخری چٹان کی بلندی نظر آتی تھی جہاں ایک پھریرا پھڑپھڑاتا ہے، وہاں تک تو بین الاقوامی شہرت یافتہ کوئی راک کلائمب (ROCK CLIMBER) ہی پہنچ سکتا ہے۔ لیکن تین منٹ میں تو نہیں، کم از کم پندرہ منٹ میں۔۔۔ تو یہ سُکھی سڑی دھوپ جلی لڑکی کہاں وہاں پہنچنے والی تھی اور وہ بھی تین منٹ میں۔۔۔

”کیوں سائیں۔“ دیدہ دل مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”تماشا کرتے ہیں۔ اسے کہو کہ جائے۔“

میں نے گھڑی پر وقت کا تعین کیا۔ وہ دھوپ جلی لڑکی دیدہ دل کا اشارہ پاتے ہی انسان کے زوپ سے جدا ہو کر ایک بندریا ہو گئی، ننگے پاؤں بھاگتی پہلے وہ راستے سے اتر کر کھائی کے اندر غائب ہو گئی، پھر یک دم ظاہر ہوئی اور اچھلتی کودتی چٹانوں پر چڑھتی بڑے پتھروں کو پھلانگتی، کبھی ان میں اوچھل ہو جاتی اور کبھی کسی چٹان کی اوٹ میں سے نمودار ہو جاتی۔۔۔

کامران نہ صرف باکمال فوٹو گرافر تھا بلکہ ایک تجربے کار کوہ نُورد بھی تھا، اس نے شدید ہزیمت محسوس کی کہ ایک چھینٹ سی بچی کی یہ جرأت، چٹان چہ اُس نے بھی کمر کس لی اور وہ بھی چٹانوں کے اندر چلا گیا۔ اُس کا بھاری وجود حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اُس چٹانی بلندی پر چڑھتا گیا۔

ہم دیکھ رہے تھے کہ وہ بندریا اب ہم سے اتنی دُور ہو چکی ہے کہ ایک چھوٹی سی گلیہری لگتی تھی جو چٹانوں پر

بُھدک رہی تھی۔۔ تب وہ ایک مرتبہ پھر اوجھل ہوئی اور کچھ لمحوں بعد چٹانوں کی آخری بلندی پر لہراتے پھریرے کے برابر میں کھڑی ہمیں ہاتھ ہلارہی تھی۔ میں نے گھڑی چیک کی تو، پورے تین منٹ۔ اگلے لمحے وہ اسی طور اچھلتی کودتی ننگے پاؤں چٹانوں سے اترتی واپس آ رہی تھی۔ اور تب کامران نے ابھی فاصلہ بھی طے نہ کیا تھا۔

وہ کھائی میں سے برآمد ہوئی اور بھاگتی ہوئی ہمارے پاس پہنچ کر ہمیں داد طلب آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ پورے دو منٹ کل پانچ منٹ۔ اور وہ ہانپ نہیں رہی تھی، اُس کا سانس چڑھا ہوا نہیں تھا۔ تمہارا نام کیا ہے؟

نادیہ۔

پڑھتی ہو؟

نہیں۔

کیا کرتی ہو؟

لکڑیاں چُننتی ہوں۔۔ درانتی سے خشک جھاڑیاں اور گھاس کاٹتی ہوں، ننگر پارکر کے بازار میں سو روپے ہو جاتے ہیں۔

یہاں جو لوگ آتے ہیں سیر کرنے تو آپ انھیں یہ کرتب دکھاتی ہو۔ پانچ منٹ میں اس جھنڈے کو ہاتھ لگا کر واپس آ جاتی ہو۔

ہاں۔

اور وہ کچھ پیسے انعام کے طور پر دیتے ہیں۔

کبھی نہیں دیتے۔

بہ ہر طور ہم نے اُسے مناسب انعام دیا۔

دوسرے بچے بھی چٹان کی بلندی پر پہنچ کر صرف پانچ منٹ میں واپس آ جاتے ہیں؟

نہیں۔ کوئی نہیں۔ صرف میں۔

یہ بچی مشہور عالم جناسٹ نادیہ کماچی سے کم تو نہ تھی۔۔ اگرچہ یہ بھی نادیہ تھی۔ رومانہ کی نہ تھی، صحراے تھر کی تھی اور لکڑیاں بیچتی تھی۔

جب وہ ننگے پاؤں ایک آہو کی مانند چٹانوں پر قلا نچیں بھرتی تھی تو مجھے ایٹھوپیا کا ننگے پاؤں والا بکیلا یاد آتا تھا۔ وہ روزانہ اولمپک کی طویل ترین دوڑ مراٹھوں سے بھی زیادہ فاصلہ طے کرتا ہے۔ اس کی مناسب ٹریننگ کی گئی اور اسے ایٹھوپیا کی جانب سے روم اولمپک میں شامل ہونے کے لیے بھیج دیا گیا۔ میں نے روم اولمپک کی وہ مراٹھوں دوڑ ٹیلی وژن پر بہ راہ راست دیکھی تھی۔ سیکڑوں کھلاڑیوں میں سے یک دم ننگے پاؤں دوڑتا بکیلا آگے نکلتا ہے اور وہ ایک مخصوص رفتار سے اور نہایت خوب صورت انداز میں قلا نچیں بھرتا بھاگتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ سب کھلاڑی بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور جب وہ دوڑ کے اختتام پر اولمپک اسٹیڈیم میں داخل ہوتا ہے اور آخری لائن عبور کر جاتا ہے تو بھی رکتا نہیں۔ بھاگتا ہوا اسٹیڈیم کے چکر لگانے لگتا ہے اور تماشاخی حیرت میں ڈوبے ہوئے اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کرتالیاں بجاتے چلے جاتے ہیں اور بکیلا بھاگتا چلا جاتا ہے، بہت دیر بعد اُس دوڑ میں شامل ایک اور کھلاڑی ہانپتا کانپتا اسٹیڈیم میں داخل ہوتا ہے۔

وہ جب ایٹھوپیا واپس جاتا ہے تو اُس ملک کے پہلے سونے کا اولمپک تمغا جیتنے والے کے استقبال کے لیے پورا ملک اُٹھ آتا ہے۔ اُسے پھولوں سے آراستہ ایک فلوٹ پر بٹھایا جاتا ہے اور اُس کے دونوں جانب ایٹھوپیا کے قومی نشان سچ مچ کے دو شیر براہمن ہیں۔ شہنشاہ ذاتی طور پر اُس کا استقبال کرتا ہے اور اُسے حفاظتی دستے کا سالار مقرر کر دیا جاتا ہے، انعام و اکرام کی بارش ہوگئی۔ بکیلا نے بعد ازاں متعدد اولمپک مراٹھوں دوڑیں ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے جیتیں اور پھر وہ اپنی اسپورٹس کار کے حادثے میں زندگی بھر کے لیے اپانج ہو گیا اور بقیہ حیات ایک وہیل چیئر میں بسر کی۔

مجھے یقین ہے کہ اس لکڑیاں چُھنے والی تھری، دھوپ جلی نادیہ کو اگر مناسب تربیت دی جائے تو وہ مراٹھوں یا کسی ہرڈل ریس میں شریک ہو کر پاکستان کے لیے اولمپک کا اس نوعیت کا پہلا گولڈ میڈل حاصل کر سکتی ہے اگرچہ یہ خواب خام ہے۔

(ماٹھو اور اسٹلر سندھ کے - اور سندھ بھارت)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) کارونجھر پہاڑی سلسلہ کس جگہ واقع ہے ؟
- (۲) مصنف نے سنگر پارکر کی منظر کشی کس طرح کی ہے ؟
- (۳) تھر کی بچی کس بات کا دعویٰ کر رہی تھی ؟
- (۴) تھر کی نادیہ کمانچی کے کردار پر روشنی ڈالیے ؟
- (۵) مصنف نے تھر کی بچی کو کس عالمی شہرت یافتہ لڑکی کے مترادف مانا ؟ اور کیوں ؟

(۶) ایتھوپیا کے کس شخص کا مصنف نے ذکر کیا ہے ؟ اور کیوں ؟

(۷) آپ سندھ کے کسی اور شہر کی روداد سفرنامے کے انداز میں تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۲ : اس سبق میں کتنے محاورے استعمال ہوئے ہیں ؟ آپ اُن میں سے کوئی بھی تین اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

سوال نمبر ۳ : اس سبق کا مرکزی خیال اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۴ : اس سبق میں کتنے ملکوں، شہروں اور جگہوں کا ذکر کیا گیا ہے ؟ اور کیوں ؟

سوال نمبر ۵ : ذیل کے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

چٹیل	عبور کرنا	کانیاں	عجب	بے آب و گیاہ	حسب وعدہ
------	-----------	--------	-----	--------------	----------

مرکب مصادر :

ایسے تمام مصادر کو جو دوسری زبانوں کے الفاظ کے آخر میں مصدر کی علامت ”نا“ زیادہ کر کے یا دوسری زبانوں کے الفاظ کے بعد اُردو مصدر لگا کر بنالیے جاتے ہیں مرکب مصادر کہتے ہیں۔
مثالیں : تشریف لانا - سیر کرنا - گرمانا - کفنانا وغیرہ
سوال نمبر ۶ : آپ اسی طرح ”مرکب مصادر“ کی چند مثالیں تلاش کیجیے۔



طلبہ مشہور جمناسٹ ”نادیہ کماچی“ پر ایک نوٹ تحریر کریں گے۔

سفر نامے میں سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے۔ سیاح اپنے سفر کے دوران جن مقامات کی سیر کرتا ہے، وہاں جو کچھ دیکھتا ہے اسے سفر نامے میں پیش کر دیتا ہے۔ سفر نامہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے سچائی کے ساتھ احوال و کوائف قلم بند کرے۔ اس کا اندازِ بیان بھی دلچسپ ہونا چاہیے تاکہ قاری کی دلچسپی برقرار رہے۔



حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ اس کی پنڈلی پر بال نہیں تھے۔
طلبہ کو جمناسٹ ”نادیہ کماچی“ کے متعلق معلومات فراہم کیجیے۔



قمر علی عباسی

پیدائش: جون - ۱۹۳۸ء امر وہہ

وفات: مئی - ۲۰۱۳ء نیویارک

تصانیف: لندن لندن، دلی دور ہے، چلا مسافر سنگاپور، برطانیہ چلیں، اک بار چلو وینس، نیل کے ساحل، بغداد زندہ باد، میکسکو کے میلے، شام تجھے سلام، ذکر جل پری کا، اور دیوار گرگئی، سنگاپور کی سیر، عثمان کے مہمان

ملکہ بلقیس کا محل

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) بات درمیان سے سن کر سیاق و سباق سمجھ اور موضوع سمجھا سکیں۔ (۲) نثر کو اوصاف بلند خوانی (صحت تلفظ، لب و لہجہ، رموز و اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۳) ادب پڑھ کر تخلیقی صلاحیتیں پیدا کر سکیں۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ مواد پڑھ کر سمجھ سکیں۔ (۴) کسی ادب پارے کے حسن و فحش کا اندازہ کر سکیں۔ (۵) مختلف اسالیب کی تحریریں مرتب کر کے پیش کر سکیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار سجا تھا۔ جن، انسان، چرند، پرند حاضر تھے۔ ان کے سر پر طوطے سایہ کیے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا ہُدُ غائب ہے۔

”ہُدُ کہاں ہے۔۔۔۔۔؟“

کوئی جواب نہ دے سکا۔ حضرت سلیمان غصے میں بولے:

”اس نے جان بوجھ کر دربار سے غیر حاضری کی ہے۔ سخت سزا دی جائے گی۔“

عقاب کو حکم دیا:

”تلاش کر کے پیش کیا جائے۔“

عقاب پلک جھپکتے اڑا، ذرا دیر میں ہُدُ کو دربار میں پیش کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا:

”تو نے دربار سے غیر حاضر ہونے کی ہمت کیوں کی۔ وجہ بیان کی جائے۔“

”آپ کے لیے ایک خبر لایا ہوں۔“ ہُدُ نے کہا۔

”خبر! کیسی۔۔۔۔۔؟“

”میں شہر سب گیا تھا۔“

”کیوں۔۔۔۔؟ وہاں کیا خبر ہے۔۔۔۔ سنا“

”آپ تخت سے آرام کرنے اترے، میں باغ کی دیوار پر جا بیٹھا۔ وہاں ایک ہڈ ہڈ آیا۔ اجنبی تھا۔“ میں نے دریافت کیا۔ ”کہاں سے آیا ہے۔“ اس نے بتایا۔ ”میں شہر سب کا رہنے والا ہوں۔ جہاں کی حکم راں ملکہ بلقیس ہے۔ اس کے تابع ۱۲ ہزار سردار ہیں۔ ہر سردار کے پاس ایک لاکھ سوار، پیادے جواں مرد ہر وقت تیار رہتے ہیں۔“ مجھے یقین نہیں آیا۔ وہ بولا ”میرے ساتھ چلو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔“۔۔۔۔ ”میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ وہاں بلقیس دختر نرّاجیل کو دیکھا۔ حسن و جمال میں بے مثال، عقل و فراست میں لاثانی۔ شان و شوکت میں باکمال۔ ۳۰ گز کے تخت پر بیٹھی تھی۔ جواہرات سے مرصع چاروں پائے یاقوتِ سرخ، زمرّد آب دار لعل مثل انار اس میں جڑے تھے۔ کنواری دوشیزہ، لیکن بے دین۔“

”اس کے بے دین ہونے کا تو نے کیسے جانا۔۔۔۔۔“ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا۔

”دربار کے لوگ ملکہ بلقیس کو سجدہ کرتے تھے۔ ملکہ آفتاب کے سامنے جھکتی ہے۔“ ہڈ ہڈ بولا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام سوچنے لگے، پھر بولے:

”تو جاکر اسے اللہ کا پیغام پہنچا دے۔“

”مجھے شاہی پوشاک عطا ہو جو میری اولاد بھی استعمال کرتی رہے۔“ ہڈ ہڈ نے عرض کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہڈ ہڈ کو تحفہ دیا۔ اس کے سر پر تاج بنا دیا جو آج تک ہڈ ہڈ کے سر پر نظر آتا ہے۔ اللہ نے ہڈ ہڈ کو زمین میں پانی کی نشان دہی کی صلاحیت دی تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام اسے اپنے پاس رکھتے تھے۔ جب پانی کی تلاش ہوتی، یہ راہ نمائی کرتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے نام خط تیار کیا۔ ہڈ ہڈ اپنی چوچ میں لے کر اڑ گیا۔

فاصلہ زیادہ تھا، وہ رکتا، اڑتا شہر جا پہنچا۔ قصر کے دروازے بند تھے۔ اتفاق سے ایک کھڑکی کھلی تھی۔ ہڈ ہڈ اندر گیا ملکہ بلقیس محو خواب تھی۔ ہڈ ہڈ نے خط رکھا اور واپس آ گیا۔

ملکہ بلقیس اٹھیں، خط دیکھ کر حیران ہوئیں۔ دوسرے دن دربار میں اپنے سرداروں سے کہا۔

”حضرت سلیمان طاقت ور بادشاہ ہیں۔ جہاں حملہ کرتے ہیں اُسے برباد کر دیتے ہیں۔ ان کی طاقت کے سامنے کوئی کھڑ نہیں ہو سکتا۔ حضرت سلیمان نے اللہ کا مذہب اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔“

درباریوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

”ملکہ آپ صاحب عقل و فراست ہیں، شعور و آگہی رکھتی ہیں، جو فیصلہ کریں منظور ہے۔“

ملکہ نے کہا:

”میں انھیں تحفے بھیجوں گی اگر سچے پیغمبر ہیں تو بے دین سے قبول نہیں کریں گے۔“

ملکہ بلقیس نے قیمتی تحفے، سات سونے چاندی کی اینٹیں، سات زربفت کے تھان بھجوائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ایک ہزار وزیروں، آن گنت پرندوں کے ساتھ دربار کر رہے تھے۔ ہوا نے اطلاع دی، ملکہ بلقیس کے تحفے آرہے ہیں۔ حضرت سلیمان نے خادموں کو حکم دیا۔ میدان میں بنی دیوار سے سات سونے چاندی کی اینٹیں سات زربفت کے تھان لائے جائیں۔

ملکہ کے قاصد دربار میں پہنچے تو شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ خیال کیا، یہ نہ سمجھا جائے دیوار سے اینٹیں ہم نے چرا لی ہیں۔ تحفے کیسے پیش کریں۔ دُور سے آئے تھے ملکہ کا تحم تھا، تحفے پیش کیے۔

حضرت سلیمان نے تحفے قبول نہیں کیے۔ پیغام بھیجا۔

”اللہ نے سب کچھ دیا ہے۔ اللہ کا دین قبول کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔“

ملکہ بلقیس نے تحفے واپس دیکھے، پیغام سنا تو بولیں:

”بے شک وہ نبی ہیں۔ جب تک کوئی معجزہ نہ دکھائیں میں اللہ کا دین قبول نہیں کروں گی۔“

ملکہ نے ایک سو غلام لونڈی، ایک لباس، ایک شکل کے اور کچھ پہیلیاں بھیجیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس آزمائش میں کام یاب ہوئے۔

ملکہ نے ان کی خدمت میں آنے کا قصد کیا۔ آپ نے ایک جن بھیجا معلومات حاصل کرنے۔ چند دن بعد جن لوٹ آیا۔ خبر دی ملکہ کی ماں کا تعلق جن کے قبیلے سے ہے۔ عقل میں کم ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پانی میں مچھلیاں، مرغابیاں چھوڑ دیں اس پر شیشے کا فرش بنوایا۔

ایک جن سے ملکہ کا تخت منگوایا۔ اس کے ہیرے جواہرات کی ترتیب اور جزاؤ بدل دی تاکہ وہ پہچان نہ سکے۔ ملکہ بلقیس صلاہ پہنچی، محل تعمیر کرایا، قیام کیا۔ لوبان خرید، شام روانہ ہوئی۔ ملکہ دربار پہنچی تو سچھی فرش پر پانی ہے۔ اپنا لباس اوپر اٹھایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ اس کی پنڈلی پر بال نہیں تھے۔

ملکہ تخت کے نزدیک آئی۔ فوراً پہچان لیا۔

”یہ میرا تخت ہے، میں جانتی ہوں۔ یہاں کیسے آیا۔“

جن کی دونوں اطلاعات غلط تھیں۔ اس کی پنڈلی پر کالے بال نہیں تھے۔ نہ بے وقوف تھی۔ اس جن کو کیا سزا ملی یہ کہیں نہیں لکھا۔ لیکن غالباً بوتل میں وہی جن ہوگا۔

ہر دور میں قاصد خادم ایسے ہوتے ہیں جو غلط خبریں اور اطلاع مالک کو پہنچاتے ہیں۔

ملکہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے متاثر ہوئی۔

”میں آپ کا دین قبول کرتی ہوں۔ آپ اللہ کے نبی ہیں۔“

ایک دن ملکہ نے کہا: ”آپ تخت پر آسمانوں میں اڑتے جگہ جگہ جاتے ہیں، میں سات دریاؤں کے جزیرے میں جانا چاہتی ہوں۔ جہاں دریائی گھوڑے ہوتے ہیں۔ پروں سے ہوا میں اڑتے ہیں۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ کو لے کر اس جزیرے میں پہنچے۔ وہاں حسین جھیل تھی۔ سبزہ و گل، میوہ جات تھے۔ ملکہ نے دریائی اڑن گھوڑوں کی فرمائش کی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا۔

جن ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ”یہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ لیکن ایک جن ہے جو آپ سے نافرمانی کر کے سمندر میں جا چھپا ہے۔ اگر اسے اطلاع کی جائے کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے وہ آجائے گا۔ اس کے اختیار میں اڑنے والے گھوڑے پکڑنے کا فن ہے۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اجازت دے دی۔

جن نے خبر سنی، سمندر سے چھلانگ لگا کر باہر آگیا۔ خوش ہونے لگا۔ اسے باندھ کر حضرت کے سامنے پیش کر دیا۔ جن نے معافی مانگی۔ حضرت نے گھوڑے لانے کے لیے کہا۔ جن ۴۰ گھوڑے باندھ کر لے آیا جو حسین خوب صورت بانکے تھے۔ ملکہ خوش ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا: ”ان کے پر کاٹ دیے جائیں۔“ دعا کی دوبارہ نہ آئیں۔ ایسا ہی ہوا۔ کہتے ہیں موجودہ سب تازی نسل کے گھوڑے وہی پروں والے دریائی گھوڑے ہیں۔ ملکہ بلقیس کو ملکہ سبا بھی کہا جاتا ہے۔ طویل عرصے انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار دی۔

(۱۶۸۱ء میں)





سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) حضرت سلیمان دربار میں ہد ہد کیوں غیر حاضر تھا؟
- (۲) ہد ہد کو کیا تحفہ دیا گیا؟
- (۳) ہد ہد نے ملکہ سبا کے محل کی کیا منظر کشی کی؟
- (۴) ملکہ سبا نے تحفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیا کیا اشیا بھیجوائیں؟
- (۵) حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے تحفے کیوں قبول نہیں کیے؟
- (۶) جن نے ملکہ سبا سے متعلق کیا معلومات فراہم کی تھیں؟

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں استعمال کیجیے:

تالیع	حسن و جمال	عقل و فراست	آگہی	مرصع	معجزہ	باقیات
-------	------------	-------------	------	------	-------	--------

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) حضرت سلیمان علیہ السلام کو غلط اطلاعات فراہم کیں:
(الف) ہد ہد نے (ب) جن نے (ج) عقیاب نے (د) توتے نے
- (۲) ہد ہد کو زمین سے تلاش کرنے کی صلاحیت حاصل تھی:
(الف) پانی (ب) سونا (ج) ہیرے (د) آب دار موتی
- (۳) حضرت سلیمان علیہ السلام نے پر کاٹنے کا حکم دیا:
(الف) عقیاب کے (ب) توتے کے (ج) ہد ہد کے (د) گھوڑوں کے
- (۴) حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرش بنوایا:
(الف) شیشے کا (ب) قالین کا (ج) سونے کا (د) پانی کا
- (۵) جن سمندر سے نکال لایا:
(الف) گھوڑوں کو (ب) مرغابیوں کو (ج) مچھلیوں کو (د) پرندوں کو

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ کمرہ جماعت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ کے عطا کردہ معجزات پر ایک نوٹ تحریر کریں گے۔
- ✦ حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ سورہ نمل میں مذکور ہے۔ طلبہ سورہ نمل سے یہ واقعہ تلاش کر کے کمرہ جماعت میں سنائیں گے۔
- ✦ طلبہ یہ واقعہ خوش خط تحریر کریں گے۔

برائے اساتذہ

- ✦ طلبہ کو سفر نامے کی صنف کے بارے میں بتائیے۔
- ✦ طلبہ کو اس سفر نامے کی فنی خوبیوں اور خامیوں کے متعلق بتائیے۔



شوکت تھانوی

پیدائش: ۱۹۰۳ء ورنداون (ہندوستان)

وفات: مئی ۱۹۶۳ء لاہور

تصانیف: (الف) ناول: غزالہ، ساچ کو آج، بھابی، سسرال، بقرط، بکواس، سنگم صاحبہ، خدا نخواستہ

(ب) مزاح: سیلاب تبسم، دنیائے تبسم، طوفان تبسم، برق تبسم، بحر تبسم

خواہ مخواہ کی لڑائی

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) غن کر بات / کہانی / ناول کی جزئیات کو ترتیب سے یاد رکھ سکیں اور اسے دہرائیں۔ (۲) مختلف ادبی اصطلاحات پر گفتگو کریں۔ (۳) ادب پارے کا مرکزی خیال، اہم نکات، نتائج، کردار یا واقعات کی تشریح استحضانی انداز اور ادبی پیرائے میں لکھ سکیں۔ (۴) روزمرہ مسائل زندگی کے حوالے سے غیر رسمی خطوط لکھ سکیں۔ (۵) درسی کتاب میں شامل اصلاحی، تادیبی، تمثیلی، سائنسی اور مزاحیہ مضامین کا تقابلی جائزہ کر سکیں۔ (۶) متعلق فعل کی تفہیم، استعمال سے آگاہ ہو سکیں۔

خواہ مخواہ کی لڑائی دراصل لڑائی کی کوئی قسم نہیں بلکہ اگر سچ پوچھیے تو لڑائی کی فطرت ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی لڑائی کی گہرائی میں پہنچ کر اگر آپ محققانہ نظر ڈالیں تو جڑ ہمیشہ خواہ مخواہ کو پائیں گے۔ دراصل خالص قسم کی لڑائی ہمیشہ خواہ مخواہ سے شروع ہوتی ہے۔ ورنہ جو لڑائیاں کسی وجہ کی بنا پر لڑی جاتی ہیں ان کو اصولاً لڑائی کہنا ہی غلط ہے۔ ان کو انتقام، انتظام، تبادلہ خیال، بیت بازی، مباحثہ یا زیادہ سے زیادہ مقابلہ کہا جاسکتا ہے۔ مگر لڑائی تو اس وجدانِ آتشیں کو کہتے ہیں۔ جس کی نہ کوئی وجہ ہو نہ کوئی سبب، بس اتنا ہی کافی ہے، آؤ پڑوسن لڑیں۔ اس نے کہا: لڑے میری بلا۔ چچ کر جواب دیا: بلا لگے تیرے سگے سوتیلوں کو۔ اور لیجیے لڑائی شروع ہو گئی۔ اس لڑائی میں تو ہکار۔ اس کے بعد گالم گلوچ پھر کنکر پتھر۔ اس کے بعد لپٹاؤ، دھینگا منشتی اور آخر میں خون خرابے تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ جیسی بھی خدا لڑنے والوں کو توفیق دے۔ مختصر یہ کہ بعد میں تھانا اور عدالت سب ہی کچھ ہوگا۔ مگر اس لفظ ”خواہ مخواہ“ کا کوئی بھی شکریہ ادا نہ کرے گا جس کی یہ دولت ایسی رونق نصیب ہو سکی۔

ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ لڑائی کا مزہ بھی خواہ مخواہ کی لڑائی میں ہے۔ یعنی لڑنے کا وہم و گمان بھی نہیں ہے۔ بلکہ دو لڑنے والوں کو تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر عبرت حاصل کر رہے ہیں کہ لا حول ولا قوۃ یہ بھی کوئی انسانیت ہے کہ سر راہ بے بات کی بات پر یہ دونوں ہنگامہ برپا کیے ہوئے ہیں۔ نہ باپ دادا کی عزت کا خیال، نہ اپنے سفید پوش ہونے کا ہوش۔ کتنی شرم کی بات ہے۔ اپنے قریب ہی ایک اور صاحب کو اسی طرح عبرت حاصل کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہہ دیا: ”رونا آتا ہے اس نا سمجھی پر۔ آخر ایسے لڑنے کی کون سی بات تھی۔“ اُن صاحب نے گرج کر ہم پر برستے ہوئے کہا: ”جی ہاں! کوئی بات ہی نہ تھی۔“ ہم نے کہا: ”معاف کیجیے گا، میرا مطلب۔۔۔“ بات کاٹ کر بولے: ”رہنے بھی دو، چلے ہیں وہاں سے مطلب لے کر۔“

ہم نے ان کے منہ نہ لگتے ہوئے ایک اور صاحب سے کہہ دیا کہ ”ذرا ملاحظہ فرمائیے آپ کی تیزی“ یہ سننا تھا کہ وہی صاحب جو آپ سے باہر ہوئے جا رہے تھے، ایک دم آستینیں چڑھا کر سامنے ہی تو آگئے۔ ”تیزی، تیزی کہو تو دکھا دوں؟ یہ سارا ملے نہیں اُتار کر نہ رکھ دیا ہو تو نام بدل دینا۔ ڈھائی آنے گز کی مارکین کا پتلون کیا پہن لیا ہے کہ اوقات بھول گئے۔“ اب آخر کہاں تک ضبط کرتے جوش میں کہہ بیٹھے کہ ”زبان سنبھال کر بات کرو جی۔“ وہ صاحب گویا منتظر ہی تھے۔ زبان تو خیر سنبھال لی مگر خود کو نہ سنبھال سکے اور جھپٹے اس طرح کہ گویا مار ہی تو ڈالیں گے۔ مگر خدا بھلا کر بے نیچ بچاؤ کرنے والوں کا۔ کچھ اُن کو پکڑ کر لے گئے کچھ ہم کو چکارتے ہوئے آگے بڑھے کہ بابو جی آپ ہی غم کھائیے، جو لڑائی پہلے سے ہو رہی تھی اس کا کیا خدا جانے نتیجہ ہوا۔ مگر یہ خواہ مخواہ کی لڑائی خواہ شروع ہو کر خواہ مخواہ ہی ختم ہوئی۔ بہ ہر حال اس وقت نہ سہی مگر اب اس لڑائی کے متعلق جتنا غور کرتے ہیں اسی قدر طبیعت خوش ہوتی ہے کہ ہاں نہ تھی خالص لڑائی جو دو بے لوث لڑنے والوں کے درمیان کسی مقصد یا غرض سے نہیں ہوئی بلکہ لڑائی کے آرٹ کی خدمت کے طور پر ہم دونوں لڑے۔ مگر افسوس ہے کہ دنیا سے ہماری یہ خدمت نہ دیکھی جاسکی اور لوگوں نے نیچ بچاؤ کر دیا۔ ورنہ ہم دونوں میں سے ایک فن کی اس بے لوث خدمت میں مرکز لڑائی کی تاریخ میں زندہ رہ جاتا اور آنے والی نسلیں اس شہید فن کا نام عزت اور احترام سے لیتیں۔

خواہ مخواہ کی لڑائی کا تھوڑا بہت تجربہ تو خیر سب کو ہوگا۔ مگر ہم نے اس فن میں خاص طور پر ریاض کیا ہے۔ بہت سی خواہ مخواہ کی لڑائیاں لڑے ہیں۔ الکلف الخدمت کی حیثیت سے اور کبھی کسی اور کی دعوت پر مہمان بن کر یعنی خواہ مخواہ کی لڑائیوں میں اُلجھے بھی ہیں اور دوسروں کو الجھایا بھی ہے۔ لیکن ہمارا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ خواہ مخواہ کی لڑائی میں ناگہانی طور پر الجھ جانے میں جو لطف آتا ہے وہ کسی اور کو الجھانے میں نہیں آتا۔ ان دونوں میں آمد اور آورد کا فرق تو خیر ہے ہی لیکن اس کے علاوہ بھی الجھ جانے میں چوں کہ کوئی ارادہ نہیں ہوتا نہ کوئی تیاری ہوتی ہے، لہذا یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے چھپر پھاڑ کر لڑائی کی دولت سے بالکل اچانک طریقے پر مالا مال کر دیا ہے۔ الجھانے میں یہ بات نہیں ہے۔ اس میں تو اپنی طرف سے ارادہ کیا معنی ایک قسم کا یقین سا ہوتا ہے کہ لڑیں گے اور لڑ کر رہیں گے۔ اس موقع پر رہ رہ کر دعوت کی تشبیہ ذہن میں آرہی ہے کہ دعوت کرنے والے کو زیادہ لطف نہیں آتا۔ بلکہ دعوت میں حصہ لینے والے کو لطف آتا ہے۔ بہ ہر حال جو کچھ بھی ہو خواہ مخواہ کی لڑائی کی کتنی لا جواب مثال ملی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اس طرح ناگہانی طور پر اپنے کو لڑائی میں گھرا ہوا پاکر کس کو حیرت نہ ہوگی۔ دراصل اس قسم کے موقعوں پر سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ لڑائی کے داعی کو کس طرح سمجھایا جائے کہ بھائی ہم لڑنا بالکل نہیں چاہتے۔ اور آپ لاکھ سمجھائیں تو بھی وہ اپنے اخلاق سے مجبور ہو کر آپ کو اس دعوت میں شرکت پر مجبور کر ہی دیتا ہے۔ اب رہ گیا ہے الجھانا۔ اس کے متعلق ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ دراصل نتیجہ ہوتا ہے کسی اور غصے کا۔ یعنی جب انسان کا بس دھوبی سے نہیں چلتا تو وہ گدھوں کی تلاش میں نکلتا ہے کہ اُن کے کان مروڑے مثلاً: دفتر میں صاحب نے کسی بات پر جھاڑ ڈالی۔ افسر سے ماتحت کیا کہہ سکتا ہے۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ جائے گا۔ مگر تُرکی بہ تُرکی جواب دینے کا وہ جذبہ جو مبدہ فیض نے ہر افسر اور ماتحت قسم کے انسان کو یکساں طور پر عطا فرمایا ہے، دماغ میں چکر کھا کھا کر رہ جاتا ہے۔ طبیعت مشتعل ہوتی ہے

اشتعال بہانے ڈھونڈتا ہے۔ اور بہانہ اس کو آخر کار وہی ملتا ہے جس کو ہم آپ ”خواہ مخواہ“ کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ دفتر کی چار دیواری تک تو بہ مشکل صبر اور ضبط سے کام لیتا ہے۔ مگر گھر کی چار دیواری میں قدم رکھتے ہی جنگ جو بن جاتا ہے۔ ”جس دن سے یہ نوکری ملی ہے تمہارے بھائی صاحب برابر طعنے دیتے ہیں۔ جب دیکھے مبارک باد، جب دیکھے مبارک باد، جلتے ہی جاتے ہیں بے چارے اور خود حال یہ ہے کہ نہ کام کے نہ کاج کے ڈھیر بھر اناج کے۔“ غریب (بیوی) کے منہ میں بھی زبان ہوتی ہے۔ اگر کچھ بول دے تو قیامت آگئی۔ برتن ٹوٹے، کپڑے پھٹے، گڑے مردے اکھڑے اور آخر میں دروازے پر بیوی کی ڈولی آگئی میکے جانے کے لیے۔ اور میاں کو ہوش اس وقت آیا جب بیوی جاچکی تھی۔

اس قسم کے الجھاوے میں الجھانے والے کو بعد میں ندامت بھی ہوا کرتی ہے اور اس کی سمجھ میں یہ بات خود آجاتی ہے کہ یہ خواہ مخواہ کی لڑائی تھی۔ دراصل یہی احساس سب سے زیادہ کم زور پہلو ہے۔ جس سے لڑائی کا سارا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔ لڑائی کو احساس اور سمجھ سے کیا سروکار؟ یہ بات الجھنے والی صورت میں نہیں ہوتی۔ لہذا ہمارے نزدیک وہی طریقہ افضل ہے۔

(خواہ مخواہ“ اور بات“)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- خواہ مخواہ کی لڑائی سے مصنف کی کیا مراد ہے؟
- لڑائی میں الجھنے اور الجھانے میں کیا فرق ہے؟
- خواہ مخواہ کی لڑائی کا ہماری شخصیت اور ماحول پر کیا اثر ہوتا ہے؟
- خواہ مخواہ کی لڑائی سے دامن چھڑانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

سوال نمبر ۲: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ متن کیجیے:

- ”ڈھائی آنے گز کی مارکین کا چتلون کیا پہن لیا ہے کہ اوقات بھول گئے ہیں۔“
- ”لڑائی کو احساس اور سمجھ سے کیا سروکار، یہ بات الجھنے والی صورت میں نہیں ہوتی۔“

سوال نمبر ۳: مضمون کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر ۴: مضمون ”خواہ مخواہ کی لڑائی“ سے ایسے پانچ جملے منتخب کیجیے جن میں طنز یا مزاح کا کوئی پہلو موجود ہو۔

سوال نمبر ۵: اپنے تجربے یا تخیل کی مدد سے کسی ایسی لڑائی یا توہکار کا حال لکھیے جو بے بنیاد ہو۔

سوال نمبر ۶: درج ذیل الفاظ اور محاورات کو جملوں میں استعمال کیجیے:

وہم و گمان	سر راہ	مبدۂ فیض	ناگاہ	بے لوث
ناگہانی	خون کے گھونٹ پی کر رہ جانا	ترکی بہ ترکی جواب دینا	گڑے سردے اکھیرنا	آپے سے باہر ہونا

سوال نمبر ۷: دی گئی امثال کی روشنی میں درج ذیل الفاظ کی تذکیر و تائید کا تعین کیجیے:

مثال:	فطرت (موث)	انتقام (مذکر)	رواق	انسانیت	ہنگامہ
الفاظ:	مباحثہ	لپٹا ڈکی	لطف	اخلاق	سروکار
	طبیعت	تجربہ			

سوال نمبر ۸: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) لڑائی ہمیشہ شروع ہوتی ہے:
(الف) لپٹا ڈکی سے (ب) خواہ مخواہ سے (ج) تو تکار سے (د) مار پیٹ سے
- (۲) ”آپے سے باہر ہونا“ ہے:
(الف) ضرب المثل (ب) روزمرہ (ج) محاورہ (د) تشبیہ
- (۳) طنز کا مقصد ہونا چاہیے:
(الف) لڑائی (ب) تکرار (ج) اصلاح (د) ایذا رسانی
- (۴) ”خون کے گھونٹ پی کر رہ جانا“:
(الف) محاورہ ہے (ب) روزمرہ ہے (ج) ضرب المثل ہے (د) تلمیح ہے
- (۵) ”وہم و گمان“ ہے:
(الف) مرکب توصیفی (ب) مرکب اضافی (ج) مرکب عطفی (د) مرکب اشاری

متعلق فعل:

عرفان نے کتاب خریدی۔

عرفان نے بازار سے کتاب خریدی۔

عرفان نے کل بازار سے کتاب خریدی۔

مذکورہ جملوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جملے میں عرفان فاعل ہے، کتاب مفعول اور خریدی فعل ہے۔ دوسرے جملے میں فعل کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کتاب خریدنے کا کام بازار سے کیا گیا ہے جبکہ تیسرے جملے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کتاب آج نہیں بلکہ کل خریدی گئی ہے۔

وہ تمام الفاظ جو فعل کے معنوں کی وضاحت کرتے ہیں متعلق فعل کہلاتے ہیں۔ ان جملوں میں ”بازار سے“ اور ”کل“ متعلقاتِ فعل ہیں جبکہ ”نے“ علامتِ فاعل ہے۔
سوال نمبر ۹: ”متعلق فعل“ پر مشتمل پانچ جملے تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ ”خواہ مخواہ کی لڑائی“ پر ایک خاکہ تیار کر کے کلاس میں پیش کریں گے۔
- ✦ طلبہ صلح صفائی اور اتحاد و اتفاق کے فوائد پر کمرہٴ جماعت میں اظہارِ خیال کریں گے۔
- ✦ طلبہ اپنے الفاظ میں اس طنزیہ مضمون کا حقیقی مقصد بیان کریں گے۔
- ✦ طلبہ درسی کتاب میں شامل اصلاحی، تمثیلی، سائنسی اور مزاحیہ مضامین کا تقابلی جائزہ پیش کریں گے۔

✦ طنز و مزاح زندگی کی ناہمواریوں اور مضحکہ خیز صورتِ حال کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کا اسلوب ہے۔ طنز میں مزاح کی آمیزش سے تلخی میں کمی آجاتی ہے۔

برائے اساتذہ

- ✦ پہلے طلبہ کو عبارت فہمی کا موقع دیجیے پھر تقریری طریقہ اختیار کرتے ہوئے تعمیری بازاری فراہم کیجیے۔
- ✦ طلبہ کو طنز و مزاح کا فرق بتائیے۔
- ✦ طلبہ کو بتائیے کہ طنز و مزاح کی شمولیت سے ہماری گفتگو دل چسپ اور پُر اثر ہو جاتی ہے۔
- ✦ طلبہ کو درسی کتاب میں شامل مضامین کی نوعیت بتائیے اور ان کے درمیان فرق سے آگاہ کیجیے۔
- ✦ طلبہ کو اردو کے معروف طنز و مزاح نگاروں کے شہ پارے پڑھنے کی طرف متوجہ کیجیے۔



شفیق الرحمن

پیدائش: نومبر ۱۹۲۰ء کلانور (پنجاب، ہندوستان)

وفات: مارچ ۲۰۰۰ء راولپنڈی

آسٹریٹ: کرنیں، شگوفے، لہریں، مدوجرز، پرواز، پچھتاوے، حماقتیں، مزید حماقتیں

مجبوریاں

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) علمی یا ادبی گفتگو میں کر مظلوم ہو سکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کر سکیں۔ (۲) کسی نثر پارے کو سن کر اس میں پوشیدہ/موجود محاسن بیان کر سکیں۔ (۳) پیشہ ورانہ ضرورتوں کی تحریروں پڑھ سکیں۔ (۴) روزمرہ زندگی کے مسائل کے حوالے سے اپنے جذبات و خیالات اور مافی الضمیر کا اظہار زبانی تحریر کر سکیں۔

میرے ایک دوست جو موٹروں کے ورکشاپ کے مالک تھے اور مدت سے موٹروں کا علاج معالجہ کر رہے تھے، موٹریں اور پرزے ان کے دماغ پر اس قدر چھا گئے تھے کہ بعض اوقات وہ سوتے سوتے چلا کر کہتے: ”بریکیں لگاؤ۔ سٹارٹ کرو۔“

ایک دفعہ ہم دونوں اونٹ پر سوار ہوئے۔ میں آگے تھا اور مہار ہاتھ میرے میں تھی۔ ہم ایسی جگہ سے گزر رہے تھے جہاں پانی ہی پانی تھا۔ اونٹ کچھ تیز ہو گیا۔ ایک جگہ تو پھسلتے پھسلتے بچا۔ میرے دوست گھبرا کر بولے: ”بھئی اونٹ کو نمبر ٹو میں لے آؤ۔“ ایک وقفے کے بعد بولے: ”میرا مطلب ہے ذرا آہستہ چلاؤ۔“ اس اونٹ کی طبیعت میں کچھ ایسی بے نیازی تھی کہ جو ہدایات میں اسے دیتا وہ ذرا پروانہ کرتا۔ جب ہم اسے روکنا چاہتے تو وہ رکتا ہی نہ۔ ایک جگہ میرے دوست بولے ”اس اونٹ کی بریکیں خراب ہیں۔۔۔“ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ جلدی سے بولے: ”یعنی اسے روکنا چاہو تو بہت دیر میں رکتا ہے۔“ اور ساتھ ہی ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا گویا کہہ رہے ہوں کہ میں مجبور ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اونٹ میں گیر نہیں ہوتے نہ بریکیں ہوتی ہیں۔ لیکن میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔

بچوں کے متعلق ایک دوست نے قصہ سنایا۔ ان کے دو چھوٹے بچے حسب معمول اپنی ساری کوششیں اس جدوجہد میں صرف کرتے تھے کہ انھیں کہیں کوئی پڑھانہ دے۔ حساب سے تو وہ خاص طور پر متفرق تھے۔ آخر میرے دوست عاجز آ گئے اور انھوں نے استاد کے لیے اخبار میں اشتہار نکلوا دیا۔ ایک استاد آئے اور بڑی استاد سے انھوں نے بچوں کی پسند اور ناپسند کا پتا چلایا۔ بچوں کو خرگوش بے حد پسند تھے۔ چنانچہ وہ چھ خرگوش لے کر بچوں کے پاس پہنچے۔ خرگوش دیکھ کر بچے بہت خوش ہوئے اور ان سے کھیلنے لگے۔ استاد بولے:

”بچو! بھلا بتاؤ تو سہی یہ کتنے ہیں؟“ ایک بچے نے گن کر کہا: ”پچھ۔“ انھوں نے تین خرگوش چھپا لیے، پھر پوچھا: ”اور اب کتنے باقی رہ گئے؟“ بچے نے پھر گنا اور کہا: ”تین۔“ یکا یک چھوٹا بچہ بڑے کو ایک طرف لے گیا اور اس کے کان میں کہنے لگا: ”خبردار! میرے دل میں شبہ سا ہے۔ ہوش یار رہنا، کہیں یہ آدمی باتوں باتوں میں حساب نہ پڑھا دے۔“

ایک بہت بڑے فلاسفر تھے جنھوں نے ایک کتب فروش کو یہ خط لکھا تھا:

”جناب من!

اول تو میں نے کتاب آپ سے ہر گز نہیں منگوائی۔ اگر منگوائی تھی، تو آپ نے ہر گز نہیں بھیجی۔ اگر آپ نے بھیجی تھی تو مجھے بالکل نہیں ملی۔ اگر مجھے ملی تھی تو میں نے قیمت ادا کر دی تھی اور اگر میں نے قیمت نہیں ادا کی تو آپ سے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کر لیجیے۔ امید ہے آپ بہ خیریت ہوں گے۔ فقط۔“

ایک مرتبہ وہ کسی حجام کی دکان پر حجامت کرا رہے تھے۔ دفعۃً کوئی سڑک پر چلایا: ”میاں عبدالقدوس صاحب! میاں عبدالقدوس صاحب!! آپ کے مکان کو آگ لگ گئی۔“ وہ تڑپ کر اٹھے، حجام کو پرے دھکیلا۔ گلے کا سفید کپڑا ایک طرف دے مارا، صابن کا جھاگ ایک اور صاحب پر پھینکا۔ دو گاہکوں سے بری طرح ٹکرائے۔ سڑک پر کودے، پھسلے، گرے، پھر اٹھے، ایک دہی بڑے والے سے ٹکرائے، اچھل کر بھاگے، کچھ دور جا کر رک گئے اور سر کھجانے لگے۔ پھر شرمندہ ہو کر بولے: ”اُٹو! میں بھی کیا ہوں، بھلا میرا نام عبدالقدوس کہاں ہے؟“

ایک بوڑھے پینشنر کی پینشن بند ہو گئی۔ جنوری سے جون تک کچھ نہ ملا۔ آخر تنگ آ کر اس نے اوپر خط لکھا، وہاں سے جواب آیا کہ کاغذات کے مطابق آپ کا کئی ماہ سے انتقال ہو چکا ہے اس لیے پینشن بند کر دی گئی ہے۔ اُس نے لکھا کہ جناب من میں تو باقاعدہ زندہ ہوں۔ جواب آیا کہ آپ سرٹیفکیٹ بھیجیے۔ یہ ضلع کمشنر کے پاس گیا۔ کمشنر بڑا ہنسا اور سرٹیفکیٹ لکھ دیا کہ میں فلاں صاحب کو اپریل سے دیکھ رہا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ یہ زندہ ہیں۔ نیچے جون کی کوئی تاریخ لکھ دی۔ پینشنر نے وہ سرٹیفکیٹ اور ایک خط اوپر بھیج دیا۔ اگلے ہفتے پینشن آگئی ساتھ ہی ایک خط جس میں لکھا تھا: ”جناب من! آپ کے سرٹیفکیٹ کے مطابق اپریل، مئی اور جون کی پینشن ارسال ہے۔ بہ راہ کرم ایک اور سرٹیفکیٹ ارسال فرمائیے کہ آپ اسی سال جنوری، فروری اور مارچ میں بھی زندہ تھے تاکہ آپ کی بقیہ پینشن بھی بھیج دی جائے۔“

آپ کسی کالج یا سکول کے اسٹاف روم میں جا بیٹھیے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد بغیر کسی تعارف کے آپ ہر ٹیچر یا پروفیسر کو پہچان لیں گے۔

ایک مرتبہ میں ایک تقریب میں گیا اور میں نے ذرا سی دیر میں سب کو پہچان لیا۔ باتیں ہو رہی تھیں۔ جغرافیے کے پروفیسر نے کسی جگہ کے متعلق دریافت کیا۔ جب انھیں اس جگہ کی آب و ہوا بتائی گئی تو مسکرا کر بولے: ”تویوں کیوں نہیں فرماتے کہ بحیرہ روم کے خطے جیسی آب و ہوا ہے۔“ تاریخ کے پروفیسر

بولے: ”ایمان کی بات تو ہے کہ یہاں وہی سلوک ہونا چاہیے، جو سکندر نے پورس کے ساتھ کیا تھا۔“
ریاضی کے پروفیسر فی صدی کے سوا بات ہی نہ کرتے تھے۔ مثلاً: ”ہندوستان میں اسی فی صد آدمی
چڑچڑے ہیں۔ افغانستان میں ساٹھ فی صد آدمی چھینکیں مارتے رہتے ہیں۔ عرب میں توّے فی صد آدمی بات
بات پر لاجول پڑھتے ہیں۔“

انھوں نے فلاسفی کے پروفیسر پر چوٹ کی، وہ چڑگئے اور بحث ہونے لگی۔ ریاضی کے پروفیسر بولے:
”ریاضی ایک سچا علم ہے۔ اس میں صداقت ہے کیوں کہ منہ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ مثال کے طور پر
اگر ایک آدمی ایک کمرہ دس روز میں بنا سکتا ہے تو دس آدمی اس کمرے کو ایک روز میں بنا سکتے ہیں۔“
فلاسفی کے پروفیسر کچھ دیر حساب لگاتے رہے، پھر بولے: ”اگر دس آدمی اس کمرے کو ایک روز میں
بنا سکتے ہیں تو ۲۴۰ آدمی ایک گھنٹے میں بنا سکتے ہیں۔ ۱۴۴۰۰ آدمی ایک منٹ اور ۸۶۴۰۰ آدمی اسی کمرے کو
بہ خوبی ایک سیکنڈ میں بنالیں گے۔“ ”ہندوستان میں اسی فی صد آدمی چڑچڑے ہوتے ہیں۔“ ریاضی کے پروفیسر
کھسیانے ہو کر بولے۔

ہمارے کالج میں ایک ماہر اقتصادیات تھے۔ ایک دن ہم نے ان کا اشتہار اخبار میں پڑھا، جو انھوں
نے نوکر کے لیے دیا تھا۔ اشتہار کا ایک ایک لفظ چلا چلا کر اقتصادیات پنے کی شکایت کر رہا تھا۔

(ماخذ: از بی وائر) شفیق الرحمن



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) موٹر ورکشاپ کا مالک اپنی کس عادت سے مجبور تھا؟
- (ب) حجامت کرانے والے صاحب کیوں شرمندہ ہوئے؟
- (ج) فلاسفر کے خط سے ان کی کون سی عادت ظاہر ہوتی ہے؟
- (د) مصنف نے تعقیب میں موجود افراد کو ذرا سی دیر میں کسے پہچان لیا؟
- (ه) سبق ”مجبوریاں“ سے اپنی پسند کا مزاحیہ واقعہ منتخب کر کے لکھیے۔

سوال نمبر ۲: مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع اور واحد تحریر کیجیے:

خیالات	درجہ	قصص	تقاریب	مکان	کتب	مثال
--------	------	-----	--------	------	-----	------

سوال نمبر ۳: درج ذیل عبارت کی تشریح کیجیے:

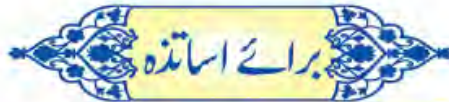
”جناب من! آپ کے سرٹکیٹ کے مطابق اپریل، مئی اور جون کی پینشن ارسال ہے۔ یہ راہ کرم ایک اور سرٹکیٹ ارسال فرمائیے کہ آپ اسی سال جنوری، فروری اور مارچ میں بھی زندہ تھے تاکہ آپ کی بقیہ پینشن بھی بھیج دی جائے۔“

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) اونٹ میں نہیں ہوتے: (الف) پاؤں (ب) منہ (ج) دم (د) گیر
- (۲) بچوں کو تعلیم دینے کے واسطے استاد لے کر آیا: (الف) بھیڑیں (ب) کبوتر (ج) طوطے (د) خرگوش
- (۳) اگر ایک دن میں ایک کمرہ دس آدمی بنا سکتے ہیں تو وہی کمرہ ایک گھنٹے میں بنا سکتے ہیں: (الف) ۲۴۰ آدمی (ب) ۱۲۰ آدمی (ج) ۸۰ آدمی (د) ۶۰ آدمی
- (۴) کمشنر نے لکھ دیا: (الف) خط (ب) مضمون (ج) سرٹکیٹ (د) کالم
- (۵) کتب فروش کو خط لکھا تھا: (الف) ریاضی کے پروفیسر نے (ب) افسانہ نگار نے (ج) مصنف نے (د) فلاسفر نے



طلبہ اردو کے مشہور مزاح نگاروں کی تحریریں تلاش کر کے کمرہ جماعت میں ساتھی طلبہ کو سنائیں گے۔



طنز اور مزاح کا باہمی فرق طلبہ کو بتائیے۔
پہلے طلبہ کو عبارت فہمی کا موقع دیجیے پھر تقریری طریقہ اختیار کرتے ہوئے موثر اور تعمیری بازاری فراہم کیجیے۔



ابن انشا (شیر محمد خان)

پیدائش: جون - ۱۹۲۷ء، پھلور (جالتھر، ہندوستان)

وفات: ۱۹۷۸ء لندن

تسلیہ (۱۳): اردو کی آخری کتاب، چلتے ہو تو چین کو چلیے، خدار گندم، دنیا گول ہے، ابن بطوطہ کے تعاقب میں

شاعری: اس بستی کے اک کوچے میں، چاند نگر، دل و حشی، بلو کا بست (بچوں کے لیے)

ایک انار و صد بیمار

حاصلِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مجازی زبان (روزمرہ، محاورہ، کنایہ وغیرہ) احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے متن کے مفہوم کا ادراک کر سکیں۔ (۲) متن کر بات/کہانی/مکالمے کو ترتیب سے بیان کر سکیں۔ (۳) ادبی تحریروں کو حسن بیان کی خوبیوں (روزمرہ اور محاورہ) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۴) ادب پارے کا مرکزی خیال، اہم نکات، نتائج، کردار یا واقعات کی تشریح استحضانی انداز اور ادبی پیرائے میں لکھ سکیں۔ (۵) لغت کو اشتقاق، مشتقات، وضعی و لفظی حوالوں سے استعمال کر سکیں۔

ہمارے ملک میں ڈاکٹروں کی کمی ہے۔ کراچی جیسے ترقی یافتہ شہر میں بھی سات سو آدمیوں کے پیچھے ایک ڈاکٹر کی اوسط ہے جب کہ مغرب کے ملکوں میں ہر سو پچاس پر ایک ڈاکٹر ہوتا ہے۔ ایسے بھی دیس ہیں جن میں ہر پانچ سات آدمیوں کے پیچھے ایک ڈاکٹر ہے بلکہ ایک آدھ ملک تو ایسا بھی بنا ہے جہاں ایک ایک آدمی کے پیچھے دو دو ڈاکٹر ہیں۔ جدھر وہ جاتا ہے یہ اپنے تھیلے لٹکائے پچکاریاں بھرے ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔ دونوں کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ مجھ سے علاج کرائے۔ اگر مریض ایسا ہی ڈھیٹ ہوا کہ بہت بیمار نہ ہوا تو ان ڈاکٹروں ہی میں سر پھٹول ہو جاتی ہے اور پھر یہ دونوں بیٹھ کر ایک دوسرے کی مرہم پٹی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو فیس دیتے ہیں۔ اور یوں ان کا گزارہ چلتا ہے۔

بہر حال ہمارے لیے یہ ترقی کی منزل ابھی دور ہی ہے۔ اُفق کے اُس پار ہے۔ ہمارے ہاں تو بیماروں کے لیے ڈاکٹروں کا ابھی اتنا اوسط بھی نہیں جتنا اناروں کا ہے۔ محاورے میں ایک انار و صد بیمار آتا ہے۔ جو ایک ڈاکٹر و ہفت صد بیمار کے مقابلے میں خاصی اونچی مقدار ہے۔ اسی لیے تو ڈاکٹر جتنوں کا علاج کر سکتا ہے کرتا ہے، باقی انار کھاتے ہوئے مر جاتے ہیں۔ دنیا سے سفر کر جاتے ہیں۔

ایک بزرگ جنھوں نے پچھلے دنوں کراچی میں اتائیوں کی مردم شماری کہ ہے فرماتے ہیں کہ صحیح محاورہ ایک انار و صد بیمار ہے اور انار واصل انار کی کا مُقَفِّ یا اسمِ مکبر ہے۔ یہ بات ہمارے بھی جی لگتی ہے۔ کیوں کہ کراچی قدھار تھوڑا ہی ہے جو انار کے ذکر کا موقع ہو۔ پھر انار ہم نے فقط دو طرح کے دیکھے ہیں۔ سفید دانوں والے اور سرخ دانوں والے لیکن انار یا اتائی ہزار رنگ اور ہزار شیوہ ہوتے ہیں۔ ایلو پیتھی،

ہو میو پیٹھی، فٹ پاتھی، حکیم، وید، عامل کامل۔ منجم۔ جہاز، طب چین والے، طب جاپان والے، تعویذوں والے، انگوٹھیوں والے، ان سب کو ملالیا جائے تو ہمارے خیال میں فی کس ایک کی اوسط پڑے گی۔ یعنی جتنے بیمار اتنے انار بلکہ کیا عجب دو کی پڑ جائے یعنی ایک دارو دو۔ اس ریل پیل کے ہوتے اگر ڈاکٹر کم بھی ہیں تو ہرج کی کچھ بات نہیں۔ قبرستانوں کی آبادکاری ہی تو منظور ہے سو دیر سویر سے کیا فرق پڑتا ہے۔ خیال اپنا اپنا، پسند اپنی اپنی۔ کچھ لوگ ڈاکٹروں کے ہاتھوں مرنا پسند کرتے ہیں کچھ حکیموں کے ہاتھوں۔ کچھ ایک سے مایوس ہو کر دوسرے کو آزما رہے ہیں۔ ہمارے پڑوس میں ایک بزرگ تھے۔ بیماری تو ان کو جانے کیا تھی۔ شاید گیس کی تھی۔ معدہ ان کا سوئی گیس کی ٹنگی بنا ہوا تھا۔ لیکن سارا سارا دن فارما کوپیا اور حکمت کی کتابیں لیے اپنے مرض کے نئے نئے نام تلاش یا ایجاد کرتے رہتے تھے۔ پہلے ڈاکٹروں سے رجوع کیا ان سے کچھ نہ ہوا۔ پھر ہو میو پیٹھیوں کے پاس گئے وہ بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ حکیموں کے جوشاندے اور خیساندے بھی ان کے مرض زیست کا مداوا یا ازالہ نہ کر سکے۔ آخر فٹ پاتھ کے ایک سنیاسی بابا نے اپنے خاندانی ٹوکے سے ان کی مشکل آسان کی۔ کچھ گولیاں دیں جو ہمارے خیال میں بارود کی تھیں۔ اور ایک شیشی عرق کی تھی جو شورے کے تیزاب کا اثر رکھتا تھا بلکہ شاید شورے کا تیزاب ہی تھا۔ ان بزرگ نے رات کو ایک ہی خوراک استعمال کی تھی کہ دوسرے دن کی ہمیں دفتر سے چھٹی لینی پڑی۔ آخر اتنے قدیمی ہم سائے کے جنازے کو کندھا تو دینا ہی تھا۔ ایک طرف ہم تھے۔ دوسری طرف سنیاسی بابا تھے۔ واپس آکر ہم نے اپنے کندھے پر مالش کرنے کے لیے سانپ کی چربی بھی انھی بابا جی سے لی تھی۔

ہم نے جب کبھی کسی پیشہ ور کے متعلق کالم لکھا یہی جواب ملا کہ ہم چوں کہ اس کے ہم پیشہ نہیں ہیں اس لیے جلتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے ہمیں یہی طعنہ دیا۔ نقادوں نے ہم پر یہی حرف رکھا۔ ان کی قدر نہیں کرتے۔ ان کا یہ کہنا زیادتی ہوگا۔ ہم باقاعدہ اشتہار نہیں دیتے یا اپنے نام کے ساتھ فخر الاطبا یا بنگالی بابا نہیں لکھتے تو اس کی وجہ ہماری طبیعت کا انکسار ہے یا پھر یہ بات ہے کہ ابھی ہمارے سامنے روزگار کے ایسے راستے ہیں جو سیدھے سیدھے قبرستان نہیں جاتے یا لے جاتے ورنہ حکمی علاجوں اور ٹوکوں سے ہماری بیاض بھی خالی نہیں۔ ہمارے رفیق کار میاں رفیق الدین کے گھٹنے پر معمولی سی پھنسی نکلی تھی۔ ہم نے اس کے لیے مرہم دیا تو وہ پھوڑا بن گئی۔ اس پر ایک پوڈر چھڑکنے کو دیا تو اس کے آس پاس کچھ اور پھوڑے نکل آئے۔ آخر ان کے عزیزوں نے انھیں ہسپتال میں داخل کیا وہاں آپریشن ہوا اور تین چار مہینے ہی میں وہ بھلے چنگے ہو کر آگئے۔ ہم دوا انھیں نہ دیتے تو ان کے آپریشن کی نوبت کیسے آتی اور انھیں صحت تام کیسے عطا ہوتی۔ یہ باریک باتیں ہمارے قاری تو سمجھ لیتے ہیں لیکن ان کے عزیزوں کی سمجھ میں نہ آتیں۔

خیر بہت سے محلے والے ہمیں بھی اتائی یا عطاء اللطباء کہنے لگے اس لحاظ سے اس میں کچھ غلطی بھی نہیں کہ ہمارے تمام تر نسخے اور ٹوکے ایک سنیاسی بابا کا عطیہ ہیں جو جیل جاتے ہوئے ہمارے سپرد کر گئے تھے۔ جیل ان کو اس پاداش میں ہوئی تھی کہ انھوں نے ایک مریض کا حکمی علاج کیا تھا اور حکمی علاج میں

تو یہی ہوتا ہے کہ اللہ کا حکم ہو تو مریض بچ جاتا ہے ورنہ ----- ہمارے اتائی بھائی ایک یہ نسخہ اپنی گرہ میں باندھ لیں کہ علاج صرف ایسے مریضوں کا کیا کریں جن کے قریبی رشتے دار پولیس میں نہ ہوں۔ عاقلوں کے لیے اشارے ہی کافی ہوتے ہیں۔

(ماخوذ از "خمار گندم") اکبر انشاء



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) کراچی میں اوسطاً کتنے مریضوں کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر ہوتا ہے؟
- (۲) مغربی ملکوں میں مریضوں اور ڈاکٹروں کی کیا صورت حال بیان کی گئی ہے؟
- (۳) سبق میں بزرگ کو کہاوت کی تصحیح کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟
- (۴) مصنف نے علاج کے نام پر کون کون سے طریقوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے؟ اور کیوں؟
- (۵) حکمی علاج سے کیا مراد ہے؟
- (۶) میاں رفیق الدین کا علاج کس طرح ہوا؟
- (۷) مصنف نے کس معاشرتی رویے کی نشان دہی کی ہے؟

سوال نمبر ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) "ایک انار و صد بیمار" میں حالات بیان کیے گئے ہیں:

(الف) معاشرتی	(ب) طبی	(ج) انتظامی	(د) اخلاقی
---------------	---------	-------------	------------
- (۲) "ایک انار و صد بیمار" ہے:

(الف) افسانہ	(ب) ناول	(ج) ڈراما	(د) مزاحیہ مضمون
--------------	----------	-----------	------------------
- (۳) "ایک انار و صد بیمار" میں طنز کیا گیا ہے:

(الف) ڈاکٹروں پر	(ب) حکیموں پر	(ج) عاملوں پر	(د) اتائیوں پر
------------------	---------------	---------------	----------------
- (۴) مصنف کی ڈائری بھری ہوئی تھی:

(الف) کالموں سے	(ب) اشتہاروں سے	(ج) ٹوئکوں سے	(د) اشعار سے
-----------------	-----------------	---------------	--------------
- (۵) "ایک انار و صد بیمار" قواعد کی رو سے ہے:

(الف) لفظ	(ب) فقرہ	(ج) محاورہ	(د) کہاوت
-----------	----------	------------	-----------

سوال نمبر ۳: درج ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

افق	اوسط	شیوہ	ریل پیل	مداوا
-----	------	------	---------	-------

سوال نمبر ۴: سبق کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۵: درج ذیل عبارت کی تشریح بہ حوالہ متن کیجیے:

”بزرگ نے رات کو ایک ہی خوراک استعمال کی تھی کہ دوسرے دن کی ہمیں دفتر سے چھٹی لینی پڑی۔“

سوال نمبر ۶: سبق میں شامل محاورے چُن کر لکھیے اور اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

سوال نمبر ۷: درج ذیل جملوں کا مفہوم واضح کیجیے:

(الف) ”انھوں نے ایک مریض کا حکمی علاج کیا تھا۔“

(ب) ”اناڑیا عطائی ہزار رنگ اور ہزار شیوہ ہوتے ہیں۔“

(ج) ”قبرستانوں کی آباد کاری ہی تو منظور ہے۔“

اشتقاق - مشتقات :

لفظ ”مدبر“ سے ایک نیا لفظ ”مدبرانہ“ بنا ہے یعنی اصل لفظ میں ”انہ“ شامل کر دیا گیا ہے اس عمل کو ”اشتقاق“ اور جو نیا لفظ بنایا گیا، اُسے ”مشتق“ کہتے ہیں۔

سوال نمبر ۸: آپ بھی درج ذیل الفاظ سے اسی طرح نئے الفاظ بنائیے:

بزرگ	رفیق	نقاد	مریض	حکیم
------	------	------	------	------

سرگرمیاں

طلبہ گروہی سرگرمی کرتے ہوئے روزمرہ اور محاوروں کا چارٹ تیار کر کے کمرہ جماعت میں پیش کریں گے اور پھر یہ چارٹ دیوار پر آویزاں کریں گے۔

برائے اساتذہ

سبق کی خواندگی احساس، جذبے اور تاثر قائم کرنے کے انداز سے کیجیے اور طلبہ کو بھی ادبی تحریریں پڑھنے کے طریقے سے آگاہ کیجیے۔

طلبہ سے سبق کی مشقیں کرائیے اور ضروری اصلاح کیجیے۔

خطِ غالب بہ نام میر مہدی مجروح



مرزا اسد اللہ خاں غالب

پیدائش: ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء آگرہ

وفات: ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء دہلی

خطبات: نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ

عرفیت: مرزا نوشہ

تصانیف: عمود ہندی، اردوئے معلیٰ اور پنج آہنگ (خطوط)، مہر نیم روز (تاریخ)،

لطائفِ غیبی، قاطعِ برہان (لغات)، دیوانِ غالب

مکتوبات

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) وعظ/خطاب/نصیحت/ احکام وغیرہ سن کر خود احتسابی کر سکیں۔
(۲) کسی شہ پارے کو سن کر اس میں پوشیدہ/موجود محاسن بیان کر سکیں۔ (۳) پیشہ ورانہ ضرورتوں کی تحریریں پڑھ سکیں۔
(۴) غلط فقرات کی قواعد کے لحاظ سے درستی کر سکیں۔ (۵) ذاتی واقعات و مشاہدات تحریر کر سکیں۔ (۶) مختلف اسالیب کی تحریریں مرتب کر کے پیش کر سکیں۔ (۷) تبادلہ و ترقی کے لیے محکماتہ درخواست لکھ سکیں۔ (۸) دفتری تحریریں، مثلاً: تبادلہ و تقریر کے احکام/ درخواستیں اور مراسلے سمجھ کر پڑھ سکیں۔ (۹) اخبارات اور جرائد میں خبروں، فیچروں، اداریوں، رپورٹوں، اشتہاروں اور خطوط کو سمجھ کر پڑھ سکیں۔ (۱۰) روزمرہ زندگی سے متعلق دفتری حکم نامے اور رپورٹیں وغیرہ سمجھ سکیں اور تحریر بھی کر سکیں۔

ہاں صاحب! تم کیا چاہتے ہو؟ مجتہد العصر کے مُسوَدے کو اصلاح دے کر بھیج دیا۔ اب اور کیا لکھوں؟ تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ لفافے کو گریدا کرو، مُسوَدے کو بار بار دیکھا کرو، پاؤ گے کیا؟ یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں کہ یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا۔ جی خوش ہوا۔ مُسوَدہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازمہ سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔

کیوں سچ کیسو۔ اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی؟ ہائے، کیا اچھا شیوہ ہے۔ جب تک یوں نہ لکھو۔ گویا وہ خط ہی نہیں ہے۔ چاہ بے آب ہے۔ ابر بے باراں ہے۔ نخل بے میوہ ہے۔ خانہ بے چراغ ہے،

چراغ بے نور ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم زندہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں۔ امر ضروری کو لکھ لیا۔ زواند کو اور وقت پر موقوف رکھا اور اگر تمھاری خوش نودی اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے تو بھائی ساڑھے تین سطریں ویسی بھی میں نے لکھ دیں۔ کیا نماز قضا نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی؟ خیر ہم نے بھی وہ عبارت جو مسودے کے ساتھ لکھی تھی، اب لکھ بھیجی۔ قصور معاف کرو، خفا نہ ہو۔

میر نصیر الدین ایک بار آئے تھے، پھر نہ آئے۔

نثر فارسی نئی میں نے کہاں لکھی کہ تمھارے چچا کو یا تم کو بھیج دوں۔

نواب فیض محمد خاں کے بھائی حسن علی خاں مرگئے۔ حامد علی خاں کی ایک لاکھ تیس ہزار کئی سو روپے کی ڈگری بادشاہ پر ہو گئی۔

کلو داروغہ بیمار ہو گیا تھا۔ آج اس نے غسلِ صحت کیا۔ باقر علی خاں کو مہینا بھر سے تپ آتی ہے۔ حسین علی خاں کے گلے میں دو غدود ہو گئے ہیں۔

شہر چپ چاپ، نہ کہیں پھاوڑا بچتا ہے، نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے، نہ آہنی سڑک آتی ہے، نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلی شہر خموشاں ہے۔ کاغذ نہڑ گیا، ورنہ تمھارے دل کی خوشی کے واسطے ابھی اور لکھتا۔

ایک شبہ ۲۲، ستمبر ۱۸۶۱ء
(”غالب کے خطوط“ مرتبہ: خلیق اعظم)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) خط کے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے نام لکھیے۔
- (ب) خط نویسی کے سلسلے میں محمد شاہی روش سے غالب کی کیا مراد ہے؟
- (ج) خط سے بے تکلف گفتگو کی ایک مثال لکھیے۔
- (د) غالب نے اس خط میں نئے انداز خط نگاری کے حوالے سے کن امور کی نشان دہی کی ہے؟

سوال نمبر ۲: درج ذیل اقتباسات کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

”شہر چپ چاپ، نہ کہیں پھاوڑا بچتا ہے، نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے، نہ آہنی سڑک آتی ہے، نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلی شہر خموشاں ہے۔“

سوال نمبر ۳: درج ذیل ترکیب کی وضاحت کیجیے:

چاہ بے آب	اگر بے باراں	نخل بے میوہ	خانہ بے چراغ	شہر خموشاں
-----------	--------------	-------------	--------------	------------

سوال نمبر ۴: درج ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

روشن	شیوہ	موقوف	زوائد	نگارش
------	------	-------	-------	-------

سوال نمبر ۵: درج ذیل الفاظ کے واحد یا جمع لکھیے:

صاحبان	اصلاح	مجتہدین	خموشاں	نگارش
--------	-------	---------	--------	-------

سوال نمبر ۶: اس خط کو پڑھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرزا غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟ تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۷: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) مجتہد العصر کے مسودے کو بھیج دیا:
 - (الف) لکھ کر
 - (ب) اصلاح دے کر
 - (ج) پڑھ کر
 - (د) سن کر
- (۲) تم میرے ہم عمر نہیں جو لکھو:
 - (الف) سلام
 - (ب) دعا
 - (ج) خط
 - (د) قصیدہ
- (۳) سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح بھیجتے رہو:
 - (الف) سلام
 - (ب) دعا
 - (ج) دوا
 - (د) خط
- (۴) بار بار دیکھا کرو:
 - (الف) مسودے کو
 - (ب) خط کو
 - (ج) تقریر کو
 - (د) تحریر کو
- (۵) قصور معاف کرو۔
 - (الف) خفا نہ ہو
 - (ب) خوش نہ ہو
 - (ج) مسرور نہ ہو
 - (د) بے زار نہ ہو



- ✦ طلبہ کسی دوست کو خط لکھیں گے جس میں وہ اپنے مطالعاتی دورے کا احوال قلم بند کریں گے۔
- ✦ طلبہ کسی اخبار کے ادارے پر کمرہ جماعت میں بحث کریں گے۔
- ✦ طلبہ اخبارات و رسائل سے اقوال زریں، اشعار اور اہم واقعات نقل کر کے استاد کو دکھائیں گے۔

✿ مکتوب میں شخصیت کے اظہار اور ذاتی جذبات و احساسات کی گنجائش ہر دوسری تحریر کی نسبت زیادہ ہوتی ہے تاہم یہ مُسلم ہے کہ خط یا مکتوب بنیادی طور پر ادب نہیں بلکہ بعض خطوط اپنی خاص خوبیوں کی وجہ سے ادب کا درجہ پا جاتے ہیں اور بعض اوقات ادبِ عالیہ میں شمار ہونے لگے ہیں۔
✿ خط کے اجزاء:

- | | | |
|-------------------------------|---------------------------------|------------------|
| (۱) مکتوب نویس کا نام اور پتہ | (۲) تاریخ تحریر | (۳) نشانِ مجاریہ |
| (۴) مقدمہ یا سبجیکٹ | (۵) حوالہ نشان | (۶) القاب |
| (۷) آداب | (۸) نفسِ مضمون | (۹) خاتمہ |
| (۱۰) مکتوب نویس کے دستخط | (۱۱) مکتوب الیہ کا نام اور پتہ۔ | |

برائے اساتذہ

- ✿ طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر اور حسبِ ضرورت اُن کی مدد کیجیے۔
- ✿ طلبہ کو اخبارِ بینی کی ترغیب دیجیے۔
- ✿ طلبہ پر بیاض/ڈائری کی اہمیت و افادیت واضح کیجیے۔

خطِ اقبال خان محمد نیازالدین خاں کے نام



ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبالؒ

پیدائش: ۹ - نومبر ۱۸۷۷ء سیالکوٹ

وفات: ۲۱ - اپریل ۱۹۳۸ء لاہور

تصانیف: بانگ درا، بال جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا، جس کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ الحمد للہ کہ آپ بہ خیریت ہیں اور مولوی گرامی صاحب بھی آرام و افکار سے آزاد ہیں۔ عرصہ ہوا میں نے انھیں خط لکھا تھا بہ ہر حال یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ جالندھر آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کی صحبت سے زیادہ پُر لطف چیز اور کون سی ہے۔ اگر ممکن ہو سکتا تو میں یہ ایام بھی ہوشیار پور میں ان کی صحبت میں گزارتا۔ میری نسبت وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں محبت کا مبالغہ شامل ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ محبت محبوب کا صحیح اندازہ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔

مگر مولوی گرامی صاحب کا وعدہ وہی ہے جس کی نسبت مرزا غالب مرحوم عرصہ ہوا کہہ گئے ہیں:

ترے وعدے پر جیسے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا

مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں ان سے ملنے کے لیے جالندھر آیا تو پھر لاہور نہ آئیں گے۔ خیر یہ باتیں بعد میں سوچنے کی ہیں۔ پہلے یہ دیکھنا ہے کہ (وہ) جالندھر آتے بھی ہیں یا نہیں۔ واقعی آم دردِ گردہ کے مریض کے لیے اچھا ہے اور مجھ کو بھی اس سے بہت محبت ہے۔ کھانے کی چیزوں میں صرف یہی ایک چیز ہے جس کے لیے میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ باقی چیزوں کے لیے خواہش نہیں ہوتی، یہاں تک کہ روزمرہ کا کھانا بھی عادت کے طور پر کھاتا ہوں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

ہاں آموں پر ایک لطیفہ یاد آگیا۔ گزشتہ سال مولانا اکبر نے مجھے لنگڑا آم بھیجا تھا میں نے پارسل کی رسید اس طرح لکھی:

اثر یہ تیرے اعجازِ مسیحائی کا ہے اکبر

الہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا!

”رموزِ بے خودی“ کو میں اپنے خیال میں ختم کر چکا تھا، مگر پرسوں معلوم ہوا کہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ترتیب مضامین کرتے وقت یہ بات ذہن میں آئی کہ ابھی دو تین ضروری مضامین باقی ہیں، یعنی قرآن اور بیت الحرام کا مفہوم و مقصود حیاتِ ملیہ اسلامیہ میں کیا ہے۔ ان مضامین کے لکھ چکنے کے بعد اس حصہِ مثنوی کو ختم سمجھنا چاہیے۔ مگر ایسے ایسے مطالب ذہن میں آئے ہیں کہ خود مسلمانوں کے لیے موجب حیرت و مسرت ہوں گے۔ کیوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے ملتِ اسلامیہ کا فلسفہ اس صورت میں اس سے پہلے کبھی اسلامی جماعت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ نئے اسکول کے مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے وہ محض بودے اور سُت تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چتھڑا ہے۔ قومیت کے اصولِ حقّ صرف اسلام نے ہی بتائے ہیں، جن کی پختگی اور پائے داری مرورِ ایام و اعصار سے متاثر نہیں ہو سکتی۔

والسلام

امید کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خاک سار

محمد اقبال

۱۱ دسمبر ۱۹۱۷ء
(نگارِ کتاب: اقبال اقبال ۲)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) مولانا گرامی کے جالندھر آنے کی خبر پر اقبال نے کیا لکھا؟
- (۲) اقبال نے آم کے بارے میں کیا رائے دی ہے؟
- (۳) اقبال نے اپنی تصنیف ”رموزِ بے خودی“ کے بارے میں کیا لکھا ہے؟
- (۴) یورپ کے نظریہ قومیت کے بارے میں اقبال کا کیا موقف ہے؟

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کیجیے:

رموزِ بے خودی	اعجازِ مسیحائی	آلام و افکار	حیاتِ ملیہ اسلامیہ	مرورِ ایام و اعصار
---------------	----------------	--------------	--------------------	--------------------

سوال نمبر ۳: درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

فکر	الم	ایام	مطالب	ملت
-----	-----	------	-------	-----

سوال نمبر ۴: درج ذیل اقتباس کی تشریح بہ حوالہ متن کیجیے:

(الف) ”یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے وہ محض بودے اور ست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چتھڑا ہے۔“

سوال نمبر ۵: درج ذیل غلط فقرے درست کیجیے:

(الف) بندہ خدا دیر مت اتی کیا کرو۔

(ب) میں نے تم کو پہلے ہے لکھا بھی۔

(ج) یوں آتا تو نہیں پڑھنا۔

(د) تم کرو ایک ایک منٹ کی قدر۔

(ه) دعا نری سے چلتا نہیں کام۔

سوال نمبر ۶: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) مولوی گرامی صاحب بھی آلام و افکار کے سلسلے میں ہیں:

(الف) آزاد (ب) گرفتار (ج) پابند (د) گھرے ہوئے

(۲) آم اس مرض کے لیے اچھا ہے:

(الف) درد دل کے (ب) درد گردہ کے (ج) درد سر کے (د) درد جگر کے

(۳) گزشتہ سال مجھے لنگڑا آم بھیجا تھا:

(الف) مولانا اکبر نے (ب) مولانا ظفر نے (ج) مولانا حسرت نے (د) مولانا اصغر نے

(۴) رموز بے خودی ہے:

(الف) مثنوی (ب) قصیدہ (ج) غزل (د) مخمس

(۵) یہ فلسفہ اس صورت میں اس سے پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا:

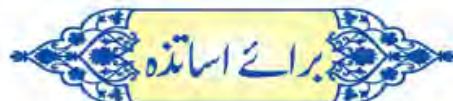
(الف) ملت اسلامیہ کا فلسفہ (ب) ملت اسلامیہ کا نظریہ

(ج) ملت اسلامیہ کا جغرافیہ (د) ملت اسلامیہ کا عقیدہ



طلبہ اس خط کے اہم نکات تحریر کر کے دکھائیں گے۔

طلبہ اس خط کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے دوست کے نام خط لکھ کر پیش کریں گے۔



طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر حسب ضرورت رہ نمائی کیجیے۔

طلبہ کو خط لکھنے کا طریقہ بتائیے۔

خطِ مشفق خواجہ بہ نام صدیق جاوید

مشفق خواجہ (خواجہ عبدالحئی)



پیدائش: دسمبر ۱۹۳۵ء لاہور

وفات: فروری ۲۰۰۵ء کراچی

تسلیف: خوش معرکہ زیبا، سخن در سخن، غالب اور مصفیر بلگرامی، جائزہ مخطوطات اردو، ابیات (شاعری)

محترم و مکرمی، سلام مسنون!

آپ کا ۲ مئی کا خط ابھی کچھ دیر پہلے موصول ہوا۔ میں شرمندہ ہوا کہ گزشتہ مفصل خط کا جواب میں نے نہیں لکھا۔ پہلے اس کی وجہ بیان کرتا ہوں۔ جھنڈیر کے میاں مسعود احمد کی لائبریری میں نے ۱۹۹۶ء میں دیکھی تھی جب میں بہاول پور گیا تھا۔ چوں کہ وقت کم تھا، اس لیے سرسری نظر ڈال ہی سکا۔ اس کے بعد سے میاں مسعود احمد صاحب کا مسلسل اصرار تھا کہ میں ان کے ہاں آؤں اور چند دن وہاں گزاروں۔ اکتوبر ۹۹ء میں میں لاہور گیا تو اس کا ذکر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور ڈاکٹر تحسین فراقی سے ہوا۔ ان دونوں نے اور دو اور دوستوں ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر اور جعفر بلوچ صاحب نے بھی اس لائبریری کو دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ طے یہ پایا کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی سہولت کے مطابق وقت طے کریں گے۔ اپریل کے شروع میں ہاشمی صاحب نے فون کیا اور بعد میں خط بھی لکھا کہ ۱۵ سے ۲۱، اپریل تک وہ اور دوسرے دوست اس سفر کے لیے تیار ہیں۔ ۱۵، کی شام کو میں ملتان پہنچ گیا اور دوسرے دن صبح جھنڈیر ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر اور جعفر بلوچ صاحب بہ راہ راست جھنڈیر پہنچ گئے۔ معلوم ہوا، رفیع الدین ہاشمی اور تحسین فراقی کی طبیعت ناساز ہوگئی، اس لیے وہ نہیں آسکے۔ فراقی صاحب اخیر ۱۷، کی شام کو آگئے، لیکن ہاشمی صاحب، جن کی تجویز پر سفر کا پروگرام بنا تھا، نہیں آئے۔ معلوم ہوا، اس میں ان کی ناسازی طبع سے زیادہ اس بات کا دخل تھا کہ اب وہ صدر شعبہ بن گئے ہیں، اور انھیں ایک ضروری میٹنگ میں شرکت کرنا ہے۔ خیر ہم چاروں ۲۰، کی دوپہر تک جھنڈیر میں رہے اور اس لائبریری کو دیکھتے رہے۔ یہ میاں مسعود احمد کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ ایسی عمدہ ذاتی لائبریری شاید ہی کوئی دوسری پاکستان میں ہو۔ ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں اور پانچ ہزار سے زیادہ مخطوطات ہیں۔ تقریباً ہر موضوع پر یہاں کتابیں موجود ہیں اور ان میں سے بہت سی نوادر کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہاں قیام کے دوران آپ مسلسل یاد آتے رہے کہ اس لائبریری میں آپ کی کتابوں سے لوگ استفادہ کریں گے اور یہ صدقہ جاریہ آپ کے درجات کی بلندی کا باعث ہوگا۔

۱ جھنڈیر قبیلے کا نام ہے۔ میاں مسعود احمد کے والد کے نام پر میلی کے گاؤں سردار پور جھنڈیر میں لائبریری واقع ہے۔

۲ موضع سردار پور جھنڈیر تحصیل میلی ضلع وہاڑی، خولج صاحب کو یاد نہیں رہا جھنڈیر قبیلے کا نام ہے۔

لابریری سے استفادہ کرنے کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ بانی کتب خانہ، آنے والوں کی ہر ممکن خدمت کرتے ہیں۔ ہم لوگ ایک روز بہاولپور بھی گئے۔ وہاں میرے ایک دوست سید سعید احمد ذہن ہیں۔ اس نواح میں آکر ان کی قبر پر فاتحہ خوانی نہ کرتا اور ان کے اہل خانہ سے نہ ملتا تو یہ آئین دوستی کے خلاف ہوتا۔ جھنڈیر والوں کی ایک بات لکھنے سے رہ گئی۔ میں نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ اپنی لابریری کو ایک علمی ادارے کی صورت دے دیں، جیسے دارالمصنفین اعظم گڑھ ہے۔ وہ اس پر آمادہ ہیں۔ وہ اسے رہائشی علمی ادارہ بنائیں گے۔ یہاں صرف کتابیں جمع نہیں کی جائیں گی، علمی کام بھی ہوگا۔ اچھا اب اجازت دیجیے۔ دیکھیے میں نے خط نہ لکھنے کی تلافی کر ہی دی۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ خط کی دوسطری رسید مل جائے تو کرم ہوگا تاکہ یہ اطمینان ہو کہ خط آپ تک پہنچ گیا۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۵۔ مئی ۲۰۰۰ء
(مراسلات: مشفق خواجہ - صدیق جاوید)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) مشفق خواجہ نے کسے خط تحریر کیا ہے اور کس مقصد کے تحت؟ مختصراً اپنے الفاظ میں بتائیے۔
- (۲) اس خط میں کتنی شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے؟
- (۳) خط کا اسلوب کیا ہے؟ واضح کیجیے۔
- (۴) خط میں کون سی لابریری کا ذکر کیا گیا ہے؟ اور کیوں؟
- (۵) دارالمصنفین اور جھنڈیر میں کیا بات مشترک ہے؟
- (۶) لابریری میں موجود کتابوں سے استفادے کو صدقہ جاریہ کیوں کہا ہے؟

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

مکرمی	مفصل	سرسری	اشتقاق	براہ راست
نامساز	استفادہ	صدقہ جاریہ	تلافی	آئین دوستی

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) مسعود احمد کی لابریری دیکھی۔

(الف) ۱۹۹۵ء میں (ب) ۱۹۹۶ء میں (ج) ۱۹۹۷ء میں (د) ۱۹۹۸ء میں

- (۲) ہاشمی صاحب نے فون کیا: (الف) فروری میں (ب) مارچ میں (ج) اپریل میں (د) مئی میں
- (۳) جھنڈیر نام ہے: (الف) جگہ کا (ب) ملک کا (ج) ذات کا (د) قبیلے کا
- (۴) دارالمصنفین ہے: (الف) اعظم گڑھ میں (ب) وہاڑی میں (ج) بہاول پور میں (د) ملتان میں
- (۵) میاں مسعود کی لائبریری میں مخطوطات موجود تھے: (الف) پانچ ہزار (ج) چھ ہزار (ج) سات ہزار (د) آٹھ ہزار

سرگرمیاں

- طلبہ اسی خط کے انداز میں ایک خط تحریر کر کے دکھائیں گے۔
- اس خط میں ایسا کیا ہے جسے ڈرامے کی صورت میں پیش کیا جائے۔

برائے اساتذہ

- خط لکھنے میں طلبہ کی مدد کیجیے۔
- سرکاری خط اور نجی مراسلے میں کیا فرق ہے، طلبہ کو تفصیلاً بتائیے۔



ماہر القادری

پیدائش: ۳۰ - جولائی ۱۹۰۶ء اتر پردیش (ہندوستان)

وفات: ۱۲ - مئی ۱۹۷۸ء سعودی عرب

تسلیف: کاروانِ حجاز، یادِ رفتگان، نغماتِ ماہر، طلسمِ حیات، فردوس، محوساتِ ماہر

حمد

حاصلاتِ تعلیم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) کلام کے اہم نکات بیان / تحریر کر سکیں۔ (۲) کلام سن کر مصرعے یا شعرِ ربانی سن سکیں۔ (۳) منظوم تحریر کو اوصافِ بلند خوانی کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔

فکر و دانش کی ہے معراج، خدا کا اقرار
یہی وجدان کی آواز ہے فطرت کی پکار

اُسی خلاق نے جوہر کو توانائی دی
پھول پتوں کو عطا جس نے کیے نقش و نگار

اس کی صنعت کے نمونے ہیں وہ نکہت ہو کہ رنگ
اس کی قدرت کے کرشمے ہیں خزاں ہو کہ بہار

اسی مالک، اسی خالق کی ہے سب حمد و ثنا
آبِ شادوں کا ترنم ہو کہ گلبنگِ ہزار

یہ کڑکتی ہوئی بجلی، یہ گرجتے بادل
یہ سمندر کی تہیں اور یہ پہاڑوں کا اُبھار

کبھی گرمی کبھی سردی، کہیں سایہ، کہیں دھوپ
کہیں جنگل، کہیں گلشن، کہیں ٹیلے، کہیں غار

یہ سب آیاتِ الہی ہیں ذرا غور سے دیکھ
اس کی پھر حمد بیاں کر، اسی خالق کو پکار!

(ماخوذ از: ذکرِ جمیل) ماہر القادری



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) شاعر نے قدرت کے کرشمے کن کن چیزوں کو قرار دیا ہے؟
 (ب) فطرت کی پکار کسے کہتے ہیں؟
 (ج) شاعر نے حمد میں فکر و دانش کی معراج یا وجدان کی آواز کو خدا کا اقرار کیوں کہا ہے؟
 (د) اس نظم میں لفظ ”صنعت“ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

سوال نمبر ۲: اس حمد کے پہلے اور آخری شعر کی تشریح کیجیے۔

سوال نمبر ۳: اس حمد کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) گلہانگ ہزار سے شاعر کی مراد ہے:
 (الف) ہزاروں نغمے
 (ب) بلبل کا نغمہ
 (ج) مسجد کی اذانیں
 (د) کتاب ماہر القادری
- (۲) آیات الہی کہا ہے:
 (الف) حمد کو
 (ب) خالق کو پکارنے کو
 (ج) قرآن پاک کی آیات کو
 (د) قدرتی مناظر کو
- (۳) شعر میں ”نکھت ہو کہ رنگ“ سے مراد ہے:
 (الف) دھنک
 (ب) طرح طرح کے مناظر
 (ج) مختلف پھول
 (د) مختلف موسم
- (۴) گرمی سردی، سایہ اور دھوپ علامت ہیں:
 (الف) بہار کی
 (ب) خزاں کی
 (ج) برسات کی
 (د) موسموں کی
- (۵) وجدان سے شاعر کی مراد ہے:
 (الف) آگہی و شعور
 (ب) عقل و دانش
 (ج) فہم و فراست
 (د) ہمت و استقامت

سوال نمبر ۵: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی بتائیے:

جوہر	فکر و دانش	وجدان	نقش و نگار	نکھت
------	------------	-------	------------	------

سرگرمیاں

طلبہ کمرۂ جماعت میں اس حمد کے مصرعے یا اشعار زبانی سنائیں گے۔
گروہ کی صورت میں طلبہ حمد کو اوصاف بلند خوانی کے لحاظ سے پڑھ کر سنائیں گے۔

برائے اساتذہ

معلم/معلمہ دونوں سرگرمیاں اپنی نگرانی میں کرائیے۔
طلبہ کو بلند خوانی کے اوصاف بتائیے۔ صحت تلفظ، مناسب لب و لہجہ، رموزِ اوقاف، اعتماد، روانی اور زیر و بم کے لحاظ سے پڑھوانے کے لیے پہلے خود عملی نمونہ پیش کیجیے پھر اُن سے پڑھوائیے۔ ضرورت ہو تو ان کی اصلاح کیجیے۔



اقبال عظیم

پیدائش: جولائی ۱۹۱۳ء میرٹھ

وفات: ستمبر ۲۰۰۰ء کراچی

تسلیف: مشرقی بنگال میں اردو، قاب قوسین، مضرب، لب کشا، مضرب و رباب، چراغِ آخرِ شب

نعت

حَضْرَتُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

حاصلاتِ تعلیم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) نظم کو درست رموزِ اوقاف سے چہ آواز بلند پڑھ سکیں۔
(۲) کسی ادبی یا علمی تحریر کا فنی و فکری تجزیہ کر سکیں۔ (۳) نعت پڑھ کر اس پر استحضاتی گفتگو کر سکیں۔ (۴) علم بیان و بدیع کی مجوزہ صنعتوں (تشبیہ) کی تعریف کر سکیں۔

سارے نبیوں کے عہدے بڑے ہیں لیکن آقا کا منصب جدا ہے
وہ امام صفِ انبیا ہیں، اُن کا رتبہ بڑوں سے بڑا ہے

کوئی لفظوں سے کیسے بتا دے، اُن کے رتبے کی حد ہے تو کیا ہے
ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے، صرف اللہ اُن سے بڑا ہے

وہ جو اک شہر نور الہدیٰ ہے، جلوہ گاہوں کا اک سلسلہ ہے
جس کی ہر صبح شمسِ الصبحیٰ ہے، جس کی ہر شام بدر الدجیٰ ہے

نام جنت کا تم نے سنا ہے، میں نے اُس کا نظارہ کیا ہے
میں یہاں سے سمجھیں کیا بتادوں، اُن کی نگری کی گلیوں میں کیا ہے

کتنا پیارا ہے موسمِ وہاں کا، کتنی پُر کیف ساری فضا ہے
تم مرے ساتھ خود چل کے دیکھو، گردِ طیبہ بھی خاکِ شفا ہے

مستقل اُن کی ڈیوڑھی عطا ہو، میرے معبود یہ التجا ہے!
کوئی پوچھے تو یہ کہہ سکوں میں، باپِ جبریلؑ میرا پتا ہے!

(ماخوذ از: ماہِ حاصلِ پروفیسر اقبال عظیم کا مکمل سرمایہ شاعری)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) نعت میں حضرت محمدؐ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کو کس دلیل سے بلند ثابت کیا گیا ہے؟

(۲) حضرت محمدؐ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبے کی حد بیان کرنے سے ہم کیوں قاصر ہیں؟

(۳) اس نعت میں حضرت محمدؐ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی کن کن پہلوؤں سے تعریف بیان کی گئی ہے؟

(۴) ان تراکیب کی وضاحت کیجیے: نور الہدیٰ، شمس الضحیٰ، بدر الدجی، خاک شفا، غم رواں

سوال نمبر ۲: نعت کے تیسرے شعر کی تشریح کیجیے۔

سوال نمبر ۳: اس نعت کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) اس نعت میں ”جلوہ گاہوں کا اک سلسلہ ہے“ سے مراد ہے:
(الف) مکہ مکرمہ (ب) مدینہ منورہ (ج) سدرۃ المنتہی (د) عرش عظیم

(۲) یہ نعت شاعری کی اس ہیئت میں لکھی گئی ہے:
(الف) مخمس (ب) مسدس (ج) رباعی (د) غزل

(۳) شاعر نے دُعا میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا مانگی ہے:
(الف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گلی کی

(ب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ کی

(ج) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بستی کی ہوا کی

(د) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی

(۴) شاعر نے اپنا پتا بتایا ہے:

(الف) بابِ فہد (ب) بابِ جبریل (ج) بابِ عزیز (د) بابِ رحمت

(۵) طیبہ نام ہے:

(الف) مکہ مکرمہ کا (ب) جدہ کا (ج) مدینہ منورہ کا (د) ریاض کا

تنبیہ:

یہ شعر غور سے پڑھیے:
 ”کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے ----- ہے ترے حُسنِ دل افروز کا زیور سہرا“
 غالب نے اپنے شعر میں مغل شہزادے ”مرزا جواں بخت“ کی شادی کے موقع پر اُس کے
 مکھڑے (چہرے) کی خوب صورتی کی تعریف کرتے ہوئے اُسے چاند سے ملایا ہے۔ اس طرح ایک چیز کو
 کسی دوسری چیز جیسا قرار دینے کو ”تنبیہ“ کہتے ہیں۔ اب ذیل کا چارٹ دیکھیے:

مُشَبَّہ	مُشَبَّہ بِہ	وجہِ تَنبِیہ	حرفِ تَنبِیہ
مکھڑا	چاند	خوب صورتی	سے

جس چیز کو تنبیہ دیتے ہیں اُسے مُشَبَّہ کہتے ہیں۔ جس چیز سے تنبیہ دیتے ہیں، اُسے مُشَبَّہ بِہ،
 جس وجہ سے تنبیہ دیتے ہیں، اُسے وجہِ تنبیہ اور تنبیہ کے لیے جو لفظ استعمال کرتے ہیں اُسے
 حرفِ تنبیہ کہتے ہیں۔

سوال نمبر ۵: آپ اس نعت میں سے تنبیہ کا شعر تلاش کیجیے اور اسی طرح کا چارٹ بنا کر تشریح کیجیے۔

سرگرمیاں

طلبہ اپنے گھریا کالج کی لائبریری سے نعتوں کی کتاب سے اپنی پسندیدہ نعت لکھ کر لائیں گے اور جماعت
 کو سنائیں گے۔

کسی اخبار/دیوان سے کوئی پسندیدہ نعت نقل کریں گے اور کمرہ جماعت میں اپنے گروپ میں فیصلہ
 کر کے اس نعت میں مناسب رموزِ اوقاف لگائیں گے۔

طلبہ اپنی اپنی منتخب کردہ نعت پیش کر کے پسند کرنے کی وجہ بیان کریں گے۔

برائے اساتذہ

طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کیجیے۔

منتخب کردہ نعت میں رموزِ اوقاف لگانے میں طلبہ کی مدد کیجیے۔



نظیر اکبر آبادی

پیدائش: ۱۷۳۵ء دہلی

وفات: ۱۸۳۰ء آگرہ

مشہور نظمیں: برسات کی بہاریں، آدمی نامہ، ہنس نامہ اور بختارہ نامہ

رہے نام اللہ کا

حاصلاتِ تعلیم

- (۱) نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) شعر سن کر محفوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن بیان کر سکیں۔
(۲) نظم کو اوصاف بلند خوانی کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۳) شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔
(۴) تھیسارس کا استعمال کر سکیں۔

دنیا میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا نہ صاحبِ مقدور نہ ناکام رہے گا
زردار نہ بے زر نہ بد انجام رہے گا شادی، نہ غم گردشِ ایام رہے گا
نہ عیش، نہ دکھ درد نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

یہ چرخ دکھاتا ہے پڑا گنبدِ اُزرق یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے ہیں مُعلّق
لوح و قلم و عرشِ بریں، ثابت و مُطلق سب ٹھٹھ، یہ اک آن میں ہو جائے گا ہو حق
آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کھلاتے ہیں عیار سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیار
جب آکے فنا ڈالے گی سر کے اُپر اک وار اک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاویں گے سب پار
نے مکر، نہ حیلہ، نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات
کیا پست مکاں، کیا یہ ہوا دار مکانات اک اینٹ بھی ڈھونڈے کہیں آنے کی نہیں بات
دالان، نہ حجرہ، نہ دروہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں رہے پھول یہ شاخ، یہ غنچہ، یہ ہرے پات، یہ پھل پھول
آجاوے گی جب بادِ خزاں ان کے اُپر بھول ہر خار کی، ہر پھول کی، اڑ جاوے گی سب دھول

نہ زرد، نہ سرخ اور نہ سیہ قام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا
یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا، کوئی قصہ کہ کہانی کچھ باقی نظیر اب نہیں، سب چیز ہے فانی
خمسہ، نہ غزل، فرد، نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

(ماخوذ از کھیاتِ تلخ)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) ہیئت کے اعتبار سے یہ نظم کیا کہلاتی ہے؟
- (ب) نظم کا خلاصہ اپنے لفظوں میں تحریر کیجیے۔
- (ج) نظم کا مرکزی خیال لکھیے۔
- (د) نظم کے پہلے، چوتھے اور پانچویں بند کی تشریح کیجیے۔
- (ه) آپ کو اس نظم کا کون سا بند پسند آیا، اور کیوں؟ بتائیے۔

سوال نمبر ۲: لغت/تھیسارس سے الفاظ ”دالان، حجرہ اور دروہام“ کے متبادل لفظ تلاش کر کے لکھیے۔

سوال نمبر ۳: اس نظم کے آخری بند میں کون کون سی شعری اصطلاحات پائی جاتی ہیں؟

سوال نمبر ۴: اس نظم میں شامل متضاد الفاظ کی نشان دہی کیجیے۔

سوال نمبر ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) لفظ ”صاحبِ مقدور“ کے معنی ہیں:
 - (الف) عقل والا (ب) قدرت والا (ج) مال والا (د) مقدر والا
- (۲) اس نظم کے پہلے بند کی رویت ہے:
 - (الف) عام (ب) رہے گا (ج) نہ (د) رہے نام اللہ کا
- (۳) اس جوڑے میں صنعت تضاد پائی جاتی ہے:
 - (الف) زردار، بے زر (ب) چاند، سورج (ج) لوح، قلم (د) پھل، پھول
- (۴) لفظ ”ازرق“ کا درست تلفظ ہے:
 - (الف) اَزْرَق (ب) اَزْرَق (ج) اِزْرَق (د) اِزْرَق
- (۵) نظم رہے جام اللہ کا میں لفظ ”دام“ کے معنی ہیں:
 - (الف) قیمت (ب) دھوکا (ج) ہمیشہ (د) جال

سرگرمیاں

- ✦ تمام طلبہ مناسب گروپوں میں تقسیم ہو کر اپنے اپنے ذمے نظم کا ایک ایک بند لیں گے اور اس بند میں نئے الفاظ کو درست تلفظ اور معنوں کے ساتھ لکھیں گے۔ پھر کمرہ جماعت میں ہر لفظ صحیح طور پر پڑھ کر اس کے معنی بتائیں گے۔
- ✦ مختلف طلبہ ایک ایک بند کو درست رموزِ اوقاف کے ساتھ لکھ کر کمرہ جماعت میں سنا سکیں گے۔ باقی طلبہ دہراتے جائیں گے۔
- ✦ نظم کے آخری بند میں چند شعری اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ گروپوں کی صورت میں تقسیم ہو کر طلبہ ان کی وضاحت کریں گے۔

یہ نظم مسدس کی ہیئت میں ہے۔ مسدس اس نظم کو کہا جاتا ہے جس کا ہر بند چھ مصرعوں کا ہو۔ اس کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور آخری دو مصرعے یعنی پانچویں اور چھٹے مصرعے ان سے علاحدہ نئے قافیوں میں مگر آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

برائے اساتذہ

- ✦ طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کیجیے اور تلفظ، رموزِ اوقاف میں ضرورت پڑنے پر ان کی اصلاح کیجیے۔
- ✦ طلبہ کو بتائیے کہ جس نظم میں ہر بند کے مصرعوں کی تعداد چھ ہو اس نظم کو مسدس کہتے ہیں۔ جس میں پانچ ہو اسے مخمس کہتے ہیں۔
- ✦ طلبہ کو اس نظم کے سب سے آخری شعر میں بیان کردہ اصطلاحات کی تعریف اور وضاحت سے آگاہ کیجیے تاکہ وہ بہ آسانی اپنی سرگرمی انجام دے سکیں۔



میر حسن

پیدائش: ۱۷۲۷ء دہلی

وفات: ۱۷۸۶ء لکھنؤ

تصنیف: دیوان میر حسن، تذکرہ شعرائے اردو، مثنوی سحرالبیان

داستان تیاری میں باغ کی

حاصلاتِ تعلیم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) شعر سن کر محفوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن بیان کر سکیں۔ (۲) اس نظم کا طرز بیان تحریر کر سکیں۔ (۳) اس نظم کی اصطلاحات کی شناخت کر کے بیان کر سکیں۔ (۴) ”حسن تعلیل“ کی تعریف کر سکیں۔

ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
لگے جس میں زربفت کے سائبان
دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
کوئی رہ پہ خوبی سے اٹکا ہوا
کہ مہ کا بندھا جس میں تارِ نظر
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال
وہ دیوار اور در کی گل کاریاں
گیا چوگنا لطف اُس میں سا
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس
معطر شب و روز جس سے مشام
گنی چار سو اُس کے پانی کی لہر
کچھ اک دور دور اُس سے سیب و بہی
کہیں نرگس و گل، کہیں یاسمن
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا
سماں شب کو داؤ دیوں کا کہیں
عجب رنگ کے زعفرانی چمن
کریں قمریاں سرو پر چچھے

(ماخذ از سحرالبیان)

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
عمارت کی خوبی، دروں کی وہ شان
چھتیں اور پردے بندھے زر نگار
کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا
وہ مقشیش کی ڈوریاں سر پہ سر
چھتوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال
سنہری، مغرق چھتیں ساریاں
دیے ہر طرف آئے جو لگا
وہ نخل کا فرش اُس کا ستھرا کہ بس
رہیں نکلنے اُس میں روشن مدام
بنی سنگ مرمر سے چوپڑ کی نہر
قرینے سے گرد اُس کے سرو سہی
چمن سے بھرا باغ، گل سے چمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں جعفری اور گیندا کہیں
کہیں زرد نرسیں، کہیں نسترن
پڑی آبِ جُو، ہر طرف کو بہے



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) اگر کسی منظوم کلام کا عنوان بھی ہو تو اُسے کیا کہتے ہیں؟
 (ب) اس نظم کی شعری خوبیاں بتائیے۔
 (ج) اس نظم کے چار پسندیدہ شعر لکھیے اور پسند ہونے کی وجہ بھی تحریر کیجیے۔
 (د) اس نظم کا خلاصہ بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۲: اس نظم کے تیرہویں شعر کی تشریح کیجیے۔

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) ”دیشہ نے ترتیب اک خانہ باغ“ --- ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ۔ اس شعر میں یہ صنعت ہے:
 (الف) مبالغہ (ب) تکرار (ج) تلمیح (د) حُسنِ تعلیل
 (۲) نظم ”داستان تیاری میں باغ کی“ ہیئت کے لحاظ سے ہے:
 (الف) مسدس (ب) رباعی (ج) مثنوی (د) مخمس
 (۳) شعر ”دیے چار سو آئے جو لگا۔۔۔۔۔“ گیا چو گنا لطف اُس میں سما“ میں صنعت ہے:
 (الف) تلمیح (ب) مبالغہ (ج) تکرار (د) تضاد
 (۴) لفظ ”خلخُلے“ کے معنی ہے:
 (الف) ستارے (ب) اگر بتیاں (ج) الاؤ (د) ایک خوش بو دار گھاس
 (۵) نرگس، یاسمین، موگرا اور جعفری ہیں:
 (الف) زیور کے نام (ب) کپڑے کا نام (ج) درخت کا نام (د) پھولوں کے نام

سوال نمبر ۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی بتائیے:

زربفت	مقیّش	مَشام	دست بست	تارِ نظر	گلِ کاری	خانہ باغ
-------	-------	-------	---------	----------	----------	----------

حُسنِ تعلیل:

یہ شعر پڑھیے:
 ”پیاسی جو تھی حسینی سپہ تین رات کی۔۔۔۔۔ ساحل سے سرچکتی تھیں موجیں فرات کی“
 اس شعر میں دریائے فرات کی لہروں کے ساحل سے بار بار ”سرچکتی“ یا ”سرمارنے“ کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ عالی مقام حضرت امام حسینؑ کا لشکر تین رات سے پیاسا تھا۔ دریائے فرات کو اس بات کا شدید صدمہ تھا کہ میں اس مقدس لشکر کی کوئی مدد نہیں کر پایا اس غم اور افسوس کی وجہ سے دریائے فرات کی لہریں کنارے پر سرمار رہی تھیں۔ حالانکہ قدرتی طور پر دریا کے پانی کی لہریں ہوا سے اٹھتی ہیں

اور ساحل پر آکر ختم ہو جاتی ہیں۔ مگر شاعر نے لہروں کے اس عمل کی وجہ افسوس اور صدمے کو قرار دیا ہے۔ شعر میں کسی بات کی ایسی وجہ بیان کرنا جو اصلی نہ ہو مگر حُسنِ بیان کے سبب حقیقی معلوم ہو ”صنعتِ حُسنِ تعلیل“ کہلاتا ہے۔
سوال نمبر ۶: آپ اس نظم میں ”صنعتِ حُسنِ تعلیل“ کا شعر تلاش کیجیے اور اُس کی وضاحت کیجیے۔

سرگرمیاں

- 🔴 طلبہ اس نظم میں بیان کیے گئے تمام پھولوں کے نام اور ان کے معنی کسی لغت / تھیلاس سے دیکھ کر لکھیں گے۔
- 🔴 طلبہ اس نظم کے تمام قافیوں کو گروپوں کی شکل میں تقسیم ہو کر خوش خط لکھنے کا مقابلہ کریں گے۔

❖ مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے یہ شئی سے مشتق ہے جس کے معنی دو، دو کیا گیا یا دو، دو کے ہیں۔ اس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کے قافیے الگ الگ ہوتے ہیں۔ مثنوی میں ردیف کا استعمال نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اس میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں۔ طویل اور مختصر دونوں طرح کی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔

برائے اساتذہ

- 🔴 طلبہ کو مثنوی کی صنف کے بارے میں بتائیے۔
- 🔴 اس مثنوی میں بیان کردہ شعری خوبیاں طلبہ پر واضح کیجیے۔



میر انیس

پیدائش: ۱۸۰۳ء فیض آباد (ہندوستان)

وفات: ۷ دسمبر، ۱۸۷۳ء لکھنؤ

تصانیف: رباعیات، سلام، مرثی

یارب! چنِ نظم کو گلِ زارِ ارمِ کرم

حاصلاتِ تعلیم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) مظلوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن بیان کر سکیں۔ (۲) نظم کو اوصافِ بلند خوانی کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۳) شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔ (۴) مبالغے کی تعریف کر سکیں۔

یارب! چنِ نظم کو گلِ زارِ ارمِ کرم
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دمِ کرم
جب تک یہ چمک مہر کے پر تو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلمِ رو سے نہ جائے
اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایتِ چمن طبعِ نیکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو
غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لالی
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
اک ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر ان کی یہ ہوں گے جنہیں رشتہ ہے نبی سے
بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرِجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسنِ بیاں کو
تحسین کا سماوت سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحظت، وہ نمک ہو
تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آبِ تو گوہر سے ملا دوں
ڈرے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلِ دستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضمون ہو تو سَو رنگ سے باندھوں

مشق

سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) ”چمن نظم“ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- (ب) اس مرثیے میں مبالغے کی چند مثالیں تلاش کیجیے۔
- (ج) اس نظم میں کون کون سی تراکیب استعمال ہوئی ہیں؟
- (د) شاعر اس مرثیے میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگ رہا ہے؟
- (ه) آپ کے خیال میں اس نظم کا پسندیدہ شعر کون سا ہے؟ پسندیدگی کی وجہ بھی بیان کیجیے۔
- (و) بیان میں فصاحت کب پیدا ہوتی ہے؟
- (ز) اس نظم کے کسی ایک بند میں ایسے الفاظ کی نشان دہی کیجیے جن میں معنوی تعلق ہو۔
- (ح) کائنات کے کن مظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ”فیض کا مبداء“ ہے؟

سوال نمبر ۲: اس نظم کے دوسرے اور پانچویں بند کی وضاحت کیجیے۔

سوال نمبر ۳: اس نظم کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۴: درج ذیل تراکیب کے معنی بتائیے:

دُرِ مقصود	دُرِج دہاں	کائن ملاحظت	دُرِ کینا	اقلیم سخن
------------	------------	-------------	-----------	-----------

مبالغہ:

یہ شعر غور سے دیکھیے:

”رونے پہ باندھ لے جو مری چشم تر کمر۔۔۔۔۔ کیسی زمیں، فلک پہ ہو پانی کمر کمر“

اس شعر میں شاعر نے اپنی چشم یعنی آنکھ کے رونے کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر میری آنکھ رونا شروع کر دے تو میرے رونے سے زمین تو کیا، فلک پر بھی کمر کمر پانی چڑھ جائے۔ کلام میں کسی بات کو اپنی اصلی حالت سے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا ”مبالغہ“ کہلاتا ہے۔

سوال نمبر ۵: آپ اس نظم میں صنعتِ مبالغہ کی نشان دہی کیجیے۔

سرگرمیاں

- ۱ طلبہ لائبریری سے میر انیس کے مرثیے تلاش کر کے ان کے منتخب حصے درست تلفظ اور مناسب لہجے سے ہم جماعتوں کو سنائیں گے۔
- ۲ طلبہ مرثیے کی تعریف اور اس کے اجزاء میر انیس کے حالات زندگی یا ان کی شاعری پر چند منٹ کی تقریر کریں گے۔

❖ مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر کسی شخص کے دُنیا سے اُٹھ جانے پر اپنے جذباتِ غم کا اظہار کرتا ہے اور مرحوم کی خوبیاں کو بیان کر کے اُسے خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔ مرثیے کے لیے مخصوص ہیئت کی کوئی شرط نہیں۔
اُردو میں خاص طور پر شہدائے کربلا کے مرثیے لکھے گئے ہیں۔ اساتذہ فن نے مرثیے کے آٹھ حصے بیان کیے ہیں۔

۱۔ چہرہ	۲۔ سراپا	۳۔ رخصت	۴۔ آمد
۵۔ رجز	۶۔ جنگ	۷۔ شہادت	۸۔ مین

آپ کی کتاب میں میر انیس کے ایک مشہور مرثیے کا چہرہ دیا گیا ہے۔



- ❖ طلبہ کو مشقی سوالات میں موجود اصطلاحات کا مطلب بتائیے۔
- ❖ طلبہ کو مُسدّس اور مُحمّس کا فرق سمجھائیے۔
- ❖ طلبہ کو کتاب میں شامل فرہنگ اور دیگر لغات سے استفادے کی ترغیب دیجیے۔
- ❖ طلبہ کو صنفِ مرثیہ اور میر انیس سے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائیے۔



مولانا الطاف حسین حالی

پیدائش: ۱۸۳۷ء پانی پت

وفات: ۱۹۱۴ء پانی پت

تصانیف: مقدمہ شعر و شاعری، دیوانِ حالی، یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید،
مُندسِ مَد و جزرِ اسلام

چُپ کی داد

حاصلاتِ تعلّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) درسی تحریر (نظم) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، لب و لہجہ، رموزِ اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۲) نظم میں رموزِ اوقاف کا درست استعمال کر سکیں۔ (۳) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔ (۴) صنعتِ تضاد کی تعریف کر سکیں۔

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو، دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھی، قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں
غم گیس دلوں کی شادیاں، دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن، تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس، جینے کی حلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو، عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں، ایماں سلامت تم سے ہے
فطرت تمھاری ہے حیا، طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا، انساں عبارت تم سے ہے
مونس ہو خاوندوں کی تم، غم خوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب، گھر بھر میں برکت تم سے ہے
تم آس ہو بیمار کی، ڈھارس ہو تم بے کار کی
دولت ہو تم نادار کی، غسرت میں عشرت تم سے ہے



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) حاکم نے نیکی کی تصویر کسے کہا ہے؟
- (۲) حاکم نے عورتوں کی فطرت کسے کہا ہے؟
- (ج) حاکم نے خواتین کی جو جو خوبیاں اور اوصاف بیان کیے ہیں، وہ سب تحریر کیجیے۔
- (۴) حاکم نے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی اہمیت کس طرح بیان کی ہے؟
- (۵) تیسرے شعر میں کون کون سی شعری صنعتیں موجود ہیں؟ بتائیے۔

سوال نمبر ۲: اس نظم کا مرکزی خیال لکھیے۔

سوال نمبر ۳: اس نظم کا خلاصہ لکھیے۔

سوال نمبر ۴: اس نظم کے قافیے لکھیے۔

سوال نمبر ۵: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے:

صبر و رضا	ٹھٹھی میں ہونا	بن	غم خوار	حلاوت
-----------	----------------	----	---------	-------

سوال نمبر ۶: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) لفظ ”مہر و وفا“ میں مہر سے مراد ہے:
 - (الف) بیوی کا مہر
 - (ب) سورج
 - (ج) محبت
 - (د) خاتون کا نام
- (۲) ”اے ماؤ! بہنو! بیٹیو!“ میں یہ رمز وقف استعمال ہوئی ہے:
 - (الف) سکتہ
 - (ب) ختمہ
 - (ج) ندائیہ
 - (د) استقہامیہ
- (۳) نظم میں ”حلاوت“ اس معنی میں استعمال ہوا ہے:
 - (الف) شہد
 - (ب) مٹھائی
 - (ج) مٹھاس
 - (د) شربت
- (۴) ”عسرت میں عشرت“ سے مراد ہے:
 - (الف) خوش حالی میں عیش و عشرت
 - (ب) مہنگائی میں گزارا کرنا
 - (ج) ویرانی میں رونق
 - (د) غریبی میں خوش رہنا
- (۵) اس نظم کی ہیئت ہے:
 - (الف) غزل
 - (ب) مثنوی
 - (ج) مخمس
 - (د) مسدس

تعداد:

”لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے“ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے“
اس شعر میں الفاظ ”حیات اور قضا“ اور ”آئے اور چلے“ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ لفظ ایک دوسرے

کی ضد ہیں۔ کلام میں ایسے الفاظ کا لانا جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں، تضاد کہلاتے ہیں۔ سوال نمبر ۷: اس نظم سے ”صنعت تضاد“ کے الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ دو گروہوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو ایک شعر اوصاف بلند خوانی کے لحاظ سے سنائیں گے۔ غلطی کی صورت میں سننے والا گروہ سننے والے کی اصلاح کرے گا۔
- ✦ طلبہ کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو اگلے صفحات کی نظموں یا غزلوں کے اشعار لکھوائے گا اور سننے والا گروہ درست رموزِ اوقاف استعمال کرتے ہوئے اشعار لکھے گا۔ پھر آپس میں تحریر شدہ اشعار بدل کر ایک دوسرے کی کتاب دیکھ کر اصلاح کریں گے۔
- ✦ طلبہ اپنی جماعت میں دو گروپ بنا کر یا مختلف جماعتوں سے مقابلہ بیت بازی منعقد کریں گے۔

نظم، تسلسل پر مبنی اشعار کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس میں ایک مرکزی خیال ہو اس کے لیے کسی موضوع کی قید نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ہیئت متعین ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ پابند نظم: ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔

- ۲۔ نظم معرّا: ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر ہوں مگر اس میں قافیے کی پابندی نہ ہو۔
- ۳۔ آزاد نظم: ایسی نظم جس میں ردیف اور قافیے کے بغیر وزن، لے، سر اور تال کا لحاظ کرتے ہوئے چھوٹے بڑے مصرعوں کے ذریعے نظم پیش کی جائے۔ آزاد نظم میں خیال اور جذبے کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔
- ۴۔ نثری نظم: نثری نظم میں ردیف، قافیے، وزن کی پابندی نہیں ہوتی۔ یہ چھوٹی بڑی نثری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

برائے اساتذہ

- ✦ تینوں سرگرمیوں کو اپنی نگرانی میں کرائیے۔
- ✦ بلند خوانی کے اوصاف طلبہ پر واضح کیجیے یعنی صحت تلفظ، مناسب لب و لہجہ، رموزِ اوقاف، اعتماد، روانی اور زیر و بم کے لحاظ سے پڑھوانے کے لیے پہلے خود عملی نمونہ پیش کیجیے پھر اُن سے پڑھوائیے۔ ضرورت ہو تو ان کی اصلاح کیجیے۔



علامہ محمد اقبال

پیدائش: ۹ - نومبر ۱۸۷۷ء سیال کوٹ

وفات: ۲۱ - اپریل ۱۹۳۸ء لاہور

تصانیف: بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی،

مردِ مسلمان

حاصلاتِ تعلیم

نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) سن کر نسبتاً طویل کلام کے اہم نکات، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔ (۲) شعر سن کر محفوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کر سکیں۔ (۳) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی بُرہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہم سایہ جبریل امیں بندہ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے ڈہل جائیں، وہ طوفان
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا، صفتِ سورۂ رحمن
بنتے ہیں مری کارگرِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

(ماخوذ از کلیات اقبال)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) اقبال کے نزدیک کون کون سے عناصر مسلمان بننے کے لیے ضروری ہیں؟
 (ب) اقبال کے نزدیک جبریل امین کا ہم سایہ کون ہے؟
 (ج) دنیا اور قیامت میں میزان سے اقبال کی کیا مراد ہے؟
 (د) اقبال نے مومن کو ”شبنم اور طوفان“ کیوں کہا ہے؟
 (ه) مومن کو سورہ رحمن کی مانند آہنگ میں یکتا کیوں کہا ہے؟

سوال نمبر ۲: اس نظم کے پہلے اور چھٹے شعر کا مطلب لکھیے۔

سوال نمبر ۳: درج ذیل مصرعوں میں کون کون سی خوبیاں پائی جاتی ہیں:

(۱) ”قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت“

(۲) ”دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان“

سوال نمبر ۴: آخری شعر میں اقبال نے کیا اہم بات بیان کی ہے؟

سوال نمبر ۵: درج ذیل الفاظ کے ہم معنی الفاظ تھیسارس یا لغت میں دیکھ کر لکھیے:

جبریل	برہان	لالہ	دریا	آہنگ
-------	-------	------	------	------

سوال نمبر ۶: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) ”بندۂ خاکی“ سے اقبال کی مراد ہے:

(الف) خاک کا پتلا (ب) خاک آلودہ انسان

(ج) کم زور انسان (د) خدا کا فرماں بردار انسان

(۲) اقبال نے مومن کو ”اللہ کی برہان“ کہا ہے:

(الف) شرعی لباس کی وجہ سے (ب) تلاوت قرآن کی وجہ سے

(ج) حج و عمرہ کی وجہ سے (د) قول و فعل کی خوبیوں کی وجہ سے

(۳) ”بنتے ہیں مری کارگرہ فکر میں انجم“ میں ”کارگرہ فکر“ سے مراد ہے:

(الف) انسان (ب) عالم (ج) مقدر (د) شاعری

(۴) اس نظم میں ان دو شہروں کا ذکر کیا گیا ہے:

(الف) تاشقند اور سمرقند (ب) بخارا بدخشاں (ج) اصفہان و مشهد (د) شیراز و قم

سوال نمبر ۷: اس نظم کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ آپس میں گروپ بنائیں گے اور ایک گروپ ایک مصرع سنائے گا اور دوسرا گروپ اسی شعر کا دوسرا مصرع زبانی بتائے گا۔
- طلبہ جماعت کے دو گروپ بنائیں گے اور بیت بازی کا مقابلہ کریں گے۔ حرف ”ن“ سے آغاز ہوگا۔ (اشعار معیاری اور ادبی ہوں)

برائے اساتذہ

- سرگرمیوں کی نگرانی اور اس دوران ضروری اصلاح کیجیے۔
- سبق کے تمام سوالوں کی تفہیم کے لیے طلبہ کی رہ نمائی کیجیے۔
- تھیسارس کے استعمال میں طلبہ کی مدد کیجیے۔ اگر تھیسارس نہ ہو تو کسی معیاری لغت سے قریب المعنی الفاظ کے انتخاب میں طلبہ کی مدد کیجیے۔



احسان دانش

پیدائش: ۲ - فروری ۱۹۱۴ء کاندھلا (ہندوستان)

وفات: ۲۱ - مارچ ۱۹۸۲ء لاہور

تسلیف: جادہ نو، دردِ زندگی، نفیرِ فطرت، شیرازہ، ابر نیساں، فصلِ سلاسل، جہانِ دانش

نوائے سَروش

حاصلاتِ تعلّم

- یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) نسبتاً طویل کلام سن کر اپنے لفظوں میں بیان کر سکیں۔
(۲) درسی تحریر (نظم) کو اوصافِ بلند خوانی (صحت تلفظ، لب و لہجہ، رموزِ اوقاف، اعتمادِ زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔
(۳) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔ (۴) ”حسن تکرار“ کی تعریف کر سکیں۔

امیدِ فتح رکھو اور علم اٹھائے چلو
عَمَل کے ساتھ مقدر کو آزمائے چلو

مسافروں میں مسافت کا ذکر، کیا معنی؟
فضا پکار رہی ہے، قدم بڑھائے چلو

بجا، بجا، کہ اندھیرا ہے شاہ راہوں میں
چراغِ فکر جہاں تک چلے، جلائے چلو

یہ دُور آگ نہیں، روشنی ہے منزل کی
قدم ملا کے بڑھو اور علم اٹھائے چلو

سفینہ غرق ہو یا کوئی گھاٹ پر اترے
تمھارا فرض یہ ہے، روشنی دکھائے چلو

جو برقِ رو ہیں انھیں دو اصولِ ہم سفری
جو تیز گام نہیں، ان کا دل بڑھائے چلو

نہیں ہے شاخ تراشی ہی شاملِ دانش
رُوشِ رُوش پہ نئے پھول بھی کھلائے چلو

(ماخوذ از ”جہانِ دانش“)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) شاعر کے نزدیک مقدر آزمانے کی کیا شرط ہے؟
- (ب) مسافر کو شاعر نے فاصلے کا ذکر کرنے سے کیوں منع کیا ہے؟
- (ج) تیسرے اور پانچویں شعر کی تشریح کیجیے۔
- (د) شاعر نے مقطعات میں کیا نصیحت کی ہے؟ واضح کیجیے۔
- (ه) شاعر کے نزدیک برقِ رو کے لیے اصولِ ہم سفری کیا ہو سکتے ہیں؟

سوال نمبر ۲: اس نظم کا مرکزی خیال لکھیے۔

سوال نمبر ۳: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے:

برقِ رو	چراغِ فکر	قدم ملانا	تیز گام	شاخ تراشی	نوائے سرودش	نروش
---------	-----------	-----------	---------	-----------	-------------	------

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) ”گھاٹ پر اترنا“ کے معنی ہیں:
 - (الف) گھانا ہو جانا
 - (ب) دھوبی گھاٹ پر آنا
 - (ج) ساحل پر پہنچنا
 - (د) ہوائی جہاز کا گھاس پر اترنا
- (۲) ”بجا بجا کہ اندھیرا ہے شاہ راہوں میں“ اس مصرعے میں مناسب رمز وقف آئے گی:
 - (الف) وقفہ
 - (ب) ندائیہ
 - (ج) سوالیہ
 - (د) ختمہ
- (۳) اوصاف بلند خوانی میں یہ وصف بھی شامل ہے:
 - (الف) تیز رفتاری
 - (ب) صحتِ تلفظ
 - (ج) ترنم
 - (د) دھیمی آواز
- (۴) لفظ ”عَلَم“ کی جمع ہے:
 - (الف) علوم
 - (ب) اعلام
 - (ج) اَعلَم
 - (د) علما
- (۵) ”تیز گام“ سے شاعر کی مراد ہے:
 - (الف) تیز ذہن والے
 - (ب) تیز زبان والے
 - (ج) تیز قدم والے
 - (د) تیز سوچ والے

حسنِ تکرار:

”چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر۔۔۔۔۔ اور اٹھنا آسمان کی طرف جھوم جھوم کر“
 ”بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندنی ہوئی۔۔۔۔۔ سبزے کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی“
 ”آتی ادھر صبا ہے، ادھر سے نسیم بھی۔۔۔۔۔ اور ان کے ساتھ ساتھ ہے آتی شمیم بھی“
 درج بالا اشعار میں الفاظ ”چوم چوم کر“، ”جھوم جھوم کر“، ”ٹھنڈی ٹھنڈی“ اور ”ساتھ ساتھ“ استعمال

ہوئے ہیں۔ اس طرح ایک ہی لفظ کے بار بار استعمال سے شعر میں جو خوبی پیدا ہوتی ہے، اُسے ”صنعتِ تکرار“ کہتے ہیں۔

سوال نمبر ۷: آپ اس نظم میں سے ”صنعتِ تکرار“ تلاش کر کے لکھیے۔

سرگرمیاں

- ❖ طلبہ دو گروپوں میں تقسیم ہو کر بیت بازی کے اصول کے تحت مقابلہ کریں گے۔
- ❖ طلبہ دو یا زیادہ گروپوں میں تقسیم ہو کر اوصاف بلند خوانی کے مطابق ایک ایک شعر پڑھیں گے۔
- ❖ طلبہ جوڑیوں میں کمرہ جماعت میں تقسیم ہو جائیں۔ باری باری ایک طالبہ/طالب علم شعر سنائے۔ دوسری طالبہ/طالب علم اپنے لفظوں میں بیان کریں گے۔

برائے اساتذہ

- ❖ اپنی نگرانی میں ہر سرگرمی اس کے تقاضوں کے مطابق طلبہ سے کرائیے۔
- ❖ لغت یا تھیسارس کے استعمال میں طلبہ کی مدد کیجیے۔
- ❖ طلبہ کو بہ طور خاص بیت بازی کے اصول اور فوائد بتائیے۔
- ❖ طلبہ کو اوصاف بلند خوانی واضح طور پر بتائیے۔

رباعیات

حاصلاتِ تعلیم یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) نسبتاً طویل کلام سن کر اپنے لفظوں میں بیان کر سکیں۔ (۲) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔ (۳) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔ مثلاً: مسدس، مخمس، مریضہ وغیرہ کی شناخت

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں چھپتی نہیں، بوئے دوستان یک رنگ کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں	میر انیس پیدائش: ۱۸۰۳ء فیض آباد وفات: ۷ دسمبر، ۱۸۷۳ء لکھنؤ تصانیف: رباعیات، سلام، مرااثی
ہر چیز مُتَبِّبِ سبب سے مانگو منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو بندے ہو اگر رب کے تورب سے مانگو	امجد حیدر آبادی پیدائش: یکم جنوری ۱۸۷۸ء حیدرآباد دکن وفات: ۳۱ - جنوری ۱۹۶۱ء حیدرآباد دکن تصانیف: گلستانِ امجد، حکایاتِ امجد، صبحِ امجد، پیامِ امجد، رباعیاتِ امجد
عرفانِ حیات دنیا میں ہیں بے شمار آنے والے آتے ہی رہیں گے روز جانے والے عرفانِ حیات ہو مبارک تجھ کو اے شدتِ غم پہ مسکرانے والے	جوش ملیح آبادی (شبیر حسن خان) پیدائش: ۵ - دسمبر ۱۸۹۸ء ملیح آباد لکھنؤ وفات: ۲۲ - فروری ۱۹۸۲ء اسلام آباد تصانیف: "روحِ ادب" (مجموعہ نظم و نثر)، "شعلہ و شبنم" (نظموں اور غزلوں کا مجموعہ)، "جنون و حکمت" (رباعیوں کا مجموعہ)، "یادوں کی برات" (آپ بیتی)
حبِ وطن جلوہ ہو تو سورج کی کرن ہی میں رہو تم پھول اگر ہو تو چمن ہی میں رہو ہر لمحہ رہے یادِ وطن حبِ وطن پرویس میں رہ کر بھی وطن ہی میں رہو	صادق دہلوی (صادق حسین نقوی) پیدائش: ۱۸۹۵ء لدھیانہ (ہندوستان) وفات: ۱۹۷۷ء کوئٹہ تصانیف: رباعیاتِ صادق



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) انیس نے اپنی رباعی میں کن دو خوبیوں کا ذکر کیا ہے؟ وہ خوبیاں بیان کیجیے۔
- (ب) جوش نے اپنی رباعی میں زندگی کی کیا حقیقت بیان کی ہے؟
- (ج) امجد حیدر آبادی نے اپنی رباعی میں کیا نصیحت کی ہے؟ تفصیل سے بتائیے۔
- (د) حب وطن کے تقاضے کے طور پر صادق دہلوی نے کیا ترغیب دی ہے؟ واضح کیجیے۔
- (ه) اپنی پسند کی کوئی اور رباعی تحریر کیجیے۔ پسند کی وجہ بھی لکھیے۔

سوال نمبر ۲: رباعی کے کیا معنی ہیں؟ اس کی ہیئت بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۳: جوش ملیح آبادی کی رباعی کا مرکزی خیال لکھیے۔

سوال نمبر ۴: صادق دہلوی کی رباعی ”حب وطن“ سے ہمیں کیا تعلیم ملتی ہے؟

سوال نمبر ۵: لفظ مُسَبِّب کے کیا معنی ہیں اور امجد حیدر آبادی نے اپنی رباعی میں کیا پیغام دیا ہے؟

سوال نمبر ۶: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) انیس کی رباعی میں ”یک رنگ“ سے مراد ہے:
 - (الف) ایک رنگ والے (ب) محفل والے (ج) خلوص والے (د) مطلبی
- (۲) لفظ ”مُسَبِّب“ کا درست تلفظ ہے:
 - (الف) مُسَبِّب (ب) مُسَبِّب (ج) مُسَبِّب (د) مُسَبِّب
- (۳) جوش کی رباعی میں ”عرفان حیات“ کا مطلب ہے:
 - (الف) زندگی کی حقیقت کو سمجھنا (ب) زندگی کی مشکلات کو سمجھنا
 - (ج) زندگی کے مسائل کو حل کرنا (د) ایک شخص کا نام
- (۴) میر انیس کی رباعی ہمیں تعلیم دیتی ہے:
 - (الف) اپنی مرضی چلانا چاہیے (ب) لوگوں کی خوبیاں دیکھنی چاہیے
 - (ج) برداشت سے کام لینا چاہیے (د) بے شعور لوگوں سے تعریف سننا چاہیے
- (۵) صادق دہلوی کی رباعی ہمیں تعلیم دیتی ہے:
 - (الف) گلستان کی (ب) حب وطن کی
 - (ج) باغ کا گوشہ بننے کی (د) گھر کو یاد رکھنے کی

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ مختلف گروپوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور ہر گروپ ایک ایک رباعی زبانی یاد کر کے دوسرے گروپ کو سنائے۔ دوسرا گروپ کتاب سے تصدیق کر کے پہلے گروپ کی اصلاح کرے گا۔ اسی طرح پہلا گروپ کتاب دیکھ کر دوسرے گروپ کی اصلاح کرے گا۔
- ✦ ان رباعیات کا کچھ نہ کچھ اثر انسانی اخلاق پر پڑتا ہے لہذا ہر گروپ ایک ایک رباعی لے لے گا اور اس کی تشریح و توضیح کر کے دوسرے گروپ کو سنائے گا۔
- ✦ طلبہ بیت بازی کا اہتمام کریں گے۔ معلم / معلمہ فیصلہ کریں گے کہ کس گروپ سے بیت بازی کا آغاز کیا جائے یا طلبہ خود ہی چٹ اٹھا کر فیصلہ کریں گے۔

- ✦ رباعی چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع لازماً ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرعے میں قافیہ ضروری نہیں۔
- ✦ رباعی کے پہلے تین مصرعے تین سیزھیوں کی طرح ہوتے ہیں جو قاری کو بہ تدریج ایک ایسی بلندی تک لے جاتے ہیں جہاں چوتھا مصرع اپنا بھرپور جلوہ دکھاتا اور بات مکمل کرتا ہے۔ رباعی کہنے کے لیے بارہ اوزان مخصوص ہیں۔
- ✦ رباعی کے لیے کوئی موضوع مخصوص نہیں ہے۔ عام طور پر اس میں فلسفیانہ، اخلاقی اور نصیحت آموز مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔

برائے اساتذہ

- ✦ معلم / معلمہ طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کیجیے اور ضرورت پڑنے پر ان کی اصلاح کیجیے۔
- ✦ رباعی کی تعریف اور تشریح طلبہ کو اچھی طرح بتائیے۔

قطعات

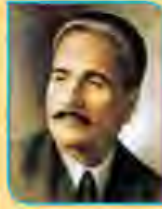
حاصلاتِ تعلّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) شعر شن کر محفوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کر سکیں۔
(۲) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔ (۳) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔
مثلاً: مسدس، مخمس، مرثیہ وغیرہ کی شناخت۔

تن بہ تقدیر

اسی قرآن میں ہے اب ترک جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو ناخوب، بہ تدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

علامہ محمد اقبال



پیدائش: ۹ - نومبر ۱۸۷۷ء سیال کوٹ
وفات: ۲۱ - اپریل ۱۹۳۸ء لاہور
تسلیف: بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم،
ارمغانِ حجاز، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی

مہک

گھگور گھٹا کہاں کہ فی الحال
اڑتا ہے غبار سا ہوا میں
ستے ہیں کہ آ رہی ہے برکھا
ساون کی مہک نہیں فضا میں

رئیس امر وہوی



پیدائش: ۱۲ - ستمبر ۱۹۱۳ء امر وہہ
وفات: ۲۲ - ستمبر ۱۹۸۸ء کراچی
تسلیف: قطعات (حصہ اول و دوم)، مثنوی
لالہ صحرا، آثار، حکایت نے



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) ”تن بہ تقدیر“ سے کیا مراد ہے؟
- (ب) اقبال نے اپنے قلم میں کیا پیغام دیا ہے؟
- (ج) غلامی سے قوموں کا ضمیر کس طرح یک جاتا ہے؟
- (د) قلم کی تعریف کیے اور مثال میں کوئی قطعہ بھی لکھیے۔

سوال نمبر ۲: اقبال کے اس قطعے کی تعلیمات کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔
سوال نمبر ۳: رئیس امر وہوی کے قطعے میں کس تبدیلی کی طرف اشارہ ہے؟

سوال نمبر ۴: کسی اور کتاب یا رسالے میں سے کوئی قطعہ نقل کر کے لکھے اور پسندیدگی کی وجہ بھی بتائیے۔
سوال نمبر ۵: درج ذیل الفاظ و مرکبات کے معنی لکھیے:

ترک جہاں	ساون	بہ تدریج	گھگھور	تن بہ تقدیر
----------	------	----------	--------	-------------

سوال نمبر ۶: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) قطعے میں اشعار ہوتے ہیں:
(الف) چار (ب) آٹھ (ج) آٹھ سے زیادہ (د) کوئی قید نہیں
- (۲) ہیئت کے لحاظ سے قطعے میں لازمی ہے:
(الف) تخلص (ب) قافیہ (ج) ردیف (د) عنوان
- (۳) ”مہ و پروین“ سے مراد ہے:
(الف) چاند اور سورج (ب) چاند اور تارے (ج) دو خواتین کے نام (د) قطب ستارہ
- (۴) اقبال نے اس نظم میں مسلمانوں کو تعلیم دی ہے:
(الف) علم حاصل کرنے کی (ب) تجارت کرنے کی (ج) دنیا ترک کر دینے کی (د) غلامی ترک کر دینے کی
- (۵) رئیس امروہوی کے قطعے میں لفظ ”مہک“ سے مراد ہے:
(الف) خوش بو (ب) بو (ج) عطر (د) آثار

سرگرمیاں

- طلبہ دو گروپ بنا کر بیت بازی کا اہتمام کریں گے۔
- طلبہ مختلف اصنافِ سخن کسی اخبار یا ہفت روزہ رسالے یا کسی دیوان سے نقل کر کے لائیں گے۔

قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں اور اصطلاحی معنوں میں ایسے چند اشعار کے مجموعے کو قطعہ کہا جاتا ہے جو ایک ہی مضمون پر مشتمل ہوں۔ قطعے کے تمام اشعار کے مصرعہ ہائے ثانی ہم قافیہ ہوتے ہیں۔
قطعہ ایک صنفِ شعر ہے جس میں قوافی کی ترتیب غزل کے مطابق ہوتی ہے لیکن اس میں مطلع نہیں ہوتا۔ مقطع اور ردیف بھی ضروری نہیں ہوتی۔ قطعے کے لیے کم سے کم دو اشعار کا ہونا ضروری ہے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو قطعے، غزل، نظم، قصیدے، مرثیے، مخمس، مسدس اور رباعی کے بارے میں سمجھائیے۔



انور مسعود

پیدائش: نومبر ۱۹۳۵ء گجرات (پاکستان)

تصانیف: شاخِ تبسم، غنچہ پھر لگا ٹھلنے، میلی میلی دھوپ، قطعہ کلامی

سائڈ فیکٹس

حاصلاتِ تعلیم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) نسبتاً طویل کلام سن کر اپنے لفظوں میں بیان کر سکیں۔ (۲) نظم میں رموزِ اوقاف کا درست استعمال کر سکیں۔ (۳) تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (غزل، نظم وغیرہ) کا مناسب انتخاب کر کے پیش کر سکیں۔

سر درد میں گولی یہ بڑی زود اثر ہے
پر تھوڑا سا نقصان بھی ہو سکتا ہے اس سے
ہو سکتی ہے پیدا کوئی تنخیر کی صورت
دل تنگ و پریشان بھی ہو سکتا ہے اس سے
ہو سکتی ہے کچھ ثقلِ سماعت کی شکایت
بے کان کوئی کان بھی ہو سکتا ہے اس سے
ممکن ہے خرابی کوئی ہو جائے جگر میں
ہاں آپ کو یرقان بھی ہو سکتا ہے اس سے
پڑ سکتی ہے کچھ جلد خراشی کی ضرورت
خارش کا کچھ امکان بھی ہو سکتا ہے اس سے
ہو سکتی ہیں یادیں بھی ذرا اس سے متاثر
معمولی سا نسیان بھی ہو سکتا ہے اس سے
بینائی کے حق میں بھی یہ گولی نہیں اچھی
دیدہ کوئی حیران بھی ہو سکتا ہے اس سے
ہو سکتا ہے لاحق کوئی پیچیدہ مرض بھی
گردہ کوئی ویران بھی ہو سکتا ہے اس سے



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) انور مسعود اردو ادب میں کس حیثیت سے مشہور ہیں؟
 (ب) اس نظم میں گولی کے کتنے سائیڈ ایکٹس بتائے گئے ہیں؟
 (ج) انور مسعود کی یہ نظم کس حد تک کامیاب مزاحیہ نظم ہے؟
 (د) اس مزاحیہ نظم کے قوافی بتائیے۔

سوال نمبر ۲: اس نظم کا مرکزی خیال بتائیے۔

سوال نمبر ۳: انور مسعود کی کوئی اور مزاحیہ نظم تلاش کر کے لائیے۔

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) لفظ ”تجیز“ سے مراد ہے:
 (الف) بخار آجانا
 (ب) بخارات بن کے اڑ جانا
 (ج) معدے میں ریح (گیس) کا پیدا ہونا
 (د) پیاس لگنا
- (۲) ”یرقان“ کہتے ہیں:
 (الف) بخار کو
 (ب) فالج کو
 (ج) پیلیا یعنی جگر کی بیماری کو
 (د) حافظے کی خرابی کو
- (۳) ”زود اثر“ کا مطلب ہے:
 (الف) زور دار
 (ب) رنگ بدلنے والی
 (ج) فوری اثر کرنے والی
 (د) بے اثر
- (۴) ”معمولی سانسین بھی ہو سکتا ہے اس سے“ اس میں نسیان ہے:
 (الف) نقصان
 (ب) نسون کی خرابی
 (ج) چکر آنا
 (د) بھولنے کا مرض
- (۵) ”دیدہ کوئی حیران“ میں دیدہ سے مراد ہے:
 (الف) کان
 (ب) گردہ
 (ج) آنکھ
 (د) ہاتھ



طلبہ آپس میں جوڑیاں بنائیں گے پھر دونوں طلبہ ایک دوسرے کو رموزِ اوقاف کے لحاظ سے اشعار سنائیں گے اور آپس میں اصلاح کریں گے۔ ضرورت پڑنے پر معلم / معلمہ سے مدد لیں گے۔

طنز: زندگی کے مضحک، قابل گرفت اور نفرت انگیز پہلوؤں پر مخالفانہ اور ظریفانہ تنقید طنز کہلاتی ہے۔ طنز کا اظہار نظم و نثر دونوں میں ہو سکتا ہے۔

مزاح: معاشرے کی ناہمواریوں/ خرابیوں کو شگفتہ انداز میں بیان کرنا مزاح کہلاتا ہے۔

طنز اور مزاح میں فرق یہ ہے کہ طنز نفرت اور برہمی سے جنم لیتا ہے اور مزاح محبت اور ہم دردی سے۔
طنز میں زہر ناک، نشتریت، کاٹ، تضحیک اور بعض اوقات چڑچڑاپن نمودار ہوتا ہے۔ مزاح ان سے معرا ہوتا
ہے اور صرف اپنی لطافت و خوش طبعی کے سہارے زندہ رہتا ہے۔ خالص مزاح کو طنز کی ضرورت نہیں طنز
ہر حال میں مزاح کا محتاج ہے۔



🔴 طلبہ کو مزاحیہ نظم کی خصوصیات بتائیے اور ان سے کسی اور شاعر کی مزاحیہ نظم تلاش کروائیے۔



ساقی جاوید (سید شوکت علی)

پیدائش: ۱۹۲۵ء ناگ پور (ہندوستان)

وفات: ۱۹۹۴ء کراچی

چاند میری زمیں

حاصلاتِ تعلیم یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) شعر سن کر محفوظ ہو سکے اور اس کے محاسن و معانی کی تفہیم کر سکیں۔
(۲) درسی تحریر (نظم) کو اوصاف باند خوانی (صحت تلفظ، لب و لہجہ، رموز اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔
(۳) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔

چاند میری زمیں، پھول میرا وطن چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

میرے ملاح لہروں کے پالے ہوئے

میرے دہقان پسینوں کے ڈھالے ہوئے

میرے مزدور اس دور کے کوہ کن

چاند میری زمیں، پھول میرا وطن چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

میرے فوجی جواں جراتوں کے نشان

میرے اہل قلم عظمتوں کی زباں

میرے محنت کشوں کے سنہرے بدن

چاند میری زمیں، پھول میرا وطن چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

میری سرحد پہ پہرا ہے ایمان کا

میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا

میرا ایک اک سپاہی ہے خیر شکن

چاند میری زمیں، پھول میرا وطن چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

میرے دہقان یونہی ہل چلاتے رہیں

میری مٹی کو سونا بناتے رہیں

گیت گاتے رہیں میرے شعلہ بدن

چاند میری زمیں، پھول میرا وطن چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

(ماخوذ از "چاند میری زمیں" ساقی جاوید)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) اس نظم کی ہیئت کا نام لکھیے۔
 (ب) ساقی جاوید نے پہلے بند میں کن کن لوگوں کے لیے کیا کیا مثالیں دی ہیں؟
 (ج) زمین اور چاند کا استعارہ کس چیز کے بارے میں ہے؟
 (د) دوسرے اور چوتھے بند کی تشریح کیجیے۔

سوال نمبر ۲: لفظ ”خیبر شکن“ کس صنعت یا شاعرانہ خوبی کو ظاہر کرتا ہے؟
 سوال نمبر ۳: درج ذیل تراکیب کے معنی لکھیے:

شعلہ بدن	عظمتوں کی زبان	اہل قلم	لہروں کے پالے	کوہ کن
----------	----------------	---------	---------------	--------

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) ”میرے دہقان پسینوں کے ڈھالے ہوئے“ سے مراد ہے:
 (الف) دہقانوں کے پاس ڈھال ہے
 (ب) دہقان ڈھالیں تیار کرتے ہیں
 (ج) دہقان شدید محنتی ہے
 (د) دہقانوں کا پسینا بہ رہا ہے
- (۲) ”میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا“ سے مراد ہے:
 (الف) شہروں میں قرآن شریف موجود ہے
 (ب) قرآن پاک شہروں میں شائع کیے جاتے ہیں
 (ج) قرآن پاک شہروں میں پڑھا جاتا ہے
 (د) میرے وطن پر قرآن پاک کی برکات ہیں
- (۳) ”میرے فوجی جوان جراتوں کے نشان“ سے مراد ہے:
 (الف) میرے فوجی جوان جرات کی علامت ہیں
 (ب) میرے فوجی جوان ہمت سے نشانے پر مارتے ہیں
 (ج) میرے وطن کے سپاہی ٹھیک ٹھیک نشانے پر مارتے ہیں
 (د) میرے وطن کے سپاہیوں کو جراتوں کا نشان ملتا ہے
- (۴) ”میری مٹی کو سونا بناتے رہیں“ سے مراد ہے:
 (الف) میرے وطن کے مزدور بلوچستان میں سونے کے ذخیرے دریافت کرتے رہیں
 (ب) میرے وطن کے کسان زمین پر فصلیں اگا کر ملک کو مالا مال کرتے رہیں
 (ج) میرے وطن کے کمھار مٹی کے بہترین برتن بنا کر سونا کماتے رہیں
 (د) میرے وطن کی مٹی کو صاف کر کے سنار سونا نکالتے رہیں

- (۵) لفظ ”خیبر شکن“ میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ میرا ہر سپاہی:
- (الف) اسلام کے مخالفین کو شکست دینے والا ہے۔
- (ب) اپنے ملک کو مخالفوں سے پاک کر دینے والا ہے۔
- (ج) حضرت علیؓ کے نقش قدم پر چلنے والا ہے۔
- (د) خیبر شکن توپ چلاتا ہے۔

سرگرمیاں

- طلبہ اس قومی نغمے کو زبانی یاد کر کے دو گروپوں میں تقسیم ہو کر باری باری پہلا گروپ پہلے بند کو ترنم سے پڑھے گا، پھر دوسرا گروپ دوسرے بند کو پڑھے گا اسی طرح تیسرا پھر چوتھا بند پڑھیں گے۔
- طلبہ اسی طرح کا کوئی اور قومی نغمہ مختلف ذرائع سے حاصل کر کے جماعت کو سنائیں گے۔
- طلبہ اس طرح کا کوئی اور قومی نغمہ لائبریری یا کسی اخبار سے تلاش کر کے لائیں گے اور کمرہ جماعت میں سنائیں گے۔

قومی شاعری سے مراد وہ مقصدی شاعری ہے جو قومی امنگوں کی ترجمان ہو اور جس میں قوم کا درد، قوم کی خوش حالی کی تمنا اور ترقی کی آرزو ہو۔

برائے اساتذہ

- اس نغمے کے مرکب الفاظ، تشبیہات اور صنعتِ تلمیح طلبہ کو وضاحت سے سمجھائیے۔



افتخار عارف

پیدائش: مارچ ۱۹۴۳ء لکھنؤ

شعری مجموعے: بارہواں کھلاڑی، مہرِ دو نیم، حرفِ باریاب، جہانِ معلوم، شہرِ علم کے دروازے پر، کتابِ دل و دنیا

استغاثہ

حاصلاتِ تعلیم

نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) شعر سن کر محفوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کر سکیں۔
(۲) کسی منظوم تحریر پر استحضانی گفتگو کر سکیں۔ (۳) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔ مثلاً: مسدس، مخمس، مرثیہ وغیرہ کی شناخت

تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا؟

ہمارے سب خواب وقت کی بے لحاظ آندھی میں جل بجھیں گے؟
وہ نیم دریا و چاہِ تاریک و آتشِ سرد و جاں نوازی کے سلسلے ختم ہو گئے کیا؟
تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا؟

خداے زندہ! یہ تیری سجدہ گزار بستی کے سب مکینوں کی التجا ہے
کوئی تو ایسی سبیل نکلے کہ تجھ سے منسوب گل زمینوں کی عظمتیں پھر سے لوٹ آئیں
وہ عفو کی، درگزر کی، مہر و وفا کی بھولی روایتیں پھر سے لوٹ آئیں
وہ چاہتیں، وہ رفاقتیں، وہ محبتیں پھر سے لوٹ آئیں۔

(ماخوذ از "مہرِ دو نیم")



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) افتخار عارف اپنی آزاد نظم میں خدا سے کیا دعا کر رہے ہیں؟
- (۲) اس نظم کی آخری تین مصرعوں میں عارف صاحب کی کیا تمنا ہے؟
- (۳) یہ نظم کہاں تک آزاد نظم کے معیار پر پوری اترتی ہے؟
- (۴) شاعر کے نزدیک اب حالات ٹھیک ہونے کا کیا امکان ہے؟

سرگرمیاں

- طلبہ اس نظم کی زبان اور اظہار خیال کے بارے میں جوڑے بنا کر گفتگو کریں گے اور خوبیاں تلاش کریں گے۔
- افتخار عارف کی کوئی اور نظم لا بھری یا دکان سے کتاب لے کر نقل کریں گے اور اپنا تبصرہ لکھیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو آزاد نظم کے انداز اور خیالات کی جدت سے آگاہ کیجیے۔



پروین شاکر

پیدائش: ۲۳ نومبر - ۱۹۵۲ء کراچی

وفات: ۲۶ دسمبر ۱۹۹۳ء اسلام آباد

تصانیف: خوشبو، صد برگ، انکار، خود کلامی، ماہِ تمام (کلیات)

مشورہ

حاصلِ تعلیم

- (۱) یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) نثر کر کلام کے اہم نکات، جملے، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔
(۲) منظوم اصناف کے طرز بیان سے آگاہ ہو سکیں۔ (۳) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔
(۴) تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (غزل، نظم وغیرہ) کا مناسب انتخاب کر کے پیش کر سکیں۔

منقحی لڑکی

ساحل کے اتنے نزدیک
ریت سے اپنا گھر نہ بنا
کوئی سرکش موج ادھر آئی، تو
تیرے گھر کی بنیادیں تک بہہ جائیں گی
اور پھر اُن کی یاد میں تو
ساری عمر اُداس رہے گی!

(نوروز: خوشبو)

مشق

سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) پروین شاکر کی اس مختصر آزاد نظم میں کیا پیغام پوشیدہ ہے؟
(ب) کیا آپ کے نزدیک اس نظم میں ایک باقاعدہ خیال ظاہر کیا گیا ہے؟
(ج) آپ نے اگر ایسی کوئی دوسری آزاد نظم سنی یا پڑھی ہے تو اس پر تبصرہ کیجیے۔

سرگرمی

طلبہ بھی اس طرح کی کوئی آزاد نظم لکھنے کی کوشش کریں گے۔

برائے اساتذہ

معلم/معلمہ طلبہ سے گفتگو کر کے ان کا ذہن کھولے اور اسی طرح کی آزاد نظم ان سے کہلوائے۔



خواجہ میر درد

پیدائش: ۱۷۲۰ء دہلی

وفات: جنوری ۱۷۸۵ء دہلی

آسانیت: نالہ درد، آہ سرود، شمع محفل، واقعات درد، دیوان درد (اردو)،
دیوان درد (فارسی)

غزلیات

حاصلاتِ تعلیم یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) منظوم اصناف کے طرز بیان سے آگاہ ہو سکیں۔ (۲) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔

غزل-۲

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے
وحدت میں تیرے حرفِ دُوی کا نہ آسکے
آمینہ کیا مجال! تجھے منہ دکھا سکے
قاصد نہیں یہ کام ترا، اپنی راہ لے
اُس کا پیام دل کے سوا کون لاسکے
غافل! خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے
گو بحث کر کے بات بٹھائی بھی کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تُو اٹھا سکے

غزل-۱

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقاً! کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اس مسندِ عزت پہ کہ تُو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا
بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھرِ دیر و حرم کا
ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا
مانندِ حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا



سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقاً! کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے
اُس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

(۲) مانندِ حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
(۳) ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے
(۴) قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے

سوال نمبر ۲: میر درد کی دونوں غزلوں کے مطلعوں میں قافیہ اور ردیف کی نشان دہی کیجیے۔

سوال نمبر ۳: میر درد کی غزلوں کا موضوع کیا ہے؟

سوال نمبر ۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے:

نہ ہمار	مقدور	تعطل	حرفِ دوئی	اپنے متیں
---------	-------	------	-----------	-----------

سوال نمبر ۵: ان غزلوں میں سے کوئی ایک ایک شعر اپنی پسند کا منتخب کیجیے اور پسند آنے کی وجہ بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۶: پہلی غزل کے تیسرے شعر میں کون کون سی شعری صنعتیں موجود ہیں؟

سوال نمبر ۷: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) لفظ ”لوح و قلم“ سے مراد ہے:

(الف) بچوں کی تختی اور قلم

(ب) رسالہ لوح و قلم

(ج) لوہے کی پلیٹ اور پین

(د) اللہ تعالیٰ نے جس مقام پر انسانوں کی قسمتیں لکھی ہیں اور جن چیزوں پر لکھی ہیں

شیخ و برہمن سے مراد ہے:

(الف) دو ذاتیں (ب) دو اشخاص (ج) امیر اور غریب (د) مسلم اور غیر مسلم

(۳) غزل میں ”مسنَدِ عزّت“ کا مفہوم ہے:

(الف) عزت والی کرسی (ب) عہدہ (ج) اعلیٰ درجہ (د) عرشِ الہی

(۴) لفظ ”قاصد“ کا مطلب ہے:

(الف) ارادہ کرنے والا (ب) درمیانہ زندگی گزارنے والا

(ج) پیغام لے جانے والا (د) ڈاکیا

(۵) اس غزل میں ”آنکھ کھلی تھی“ سے مراد ہے:

(الف) بیدار ہونا (ب) ہوش میں آنا

(ج) مختصر سی زندگی ہونا (د) بلبے کی مانند آنکھ کی بناوٹ کا ہونا

سرگرمیاں

طلبہ میر درد کی اسی طرزِ بیان کی کوئی اور غزل ان کے دیوان سے منتخب کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے ہر شعر میں ایک مکمل مفہوم ادا ہوتا ہے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اسے مطلع کہتے ہیں۔ مطلع کے سوا باقی اشعار میں ہر دوسرے مصرعے میں قافیہ ہونا ضروری ہے۔ ردیف غزل کے لیے ضروری نہیں۔ غزل کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ شاعر نے اس میں اپنا تخلص بھی نظم کیا ہو۔ غزل کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ اس میں ہر قسم کے مضامین بیان کیے جاسکتے ہیں۔

برائے اساتذہ

طلبہ کو میر درد کے حالاتِ زندگی سے آگاہ کیجیے اور ان کے شاعرانہ اسلوب کے بارے میں بتائیے۔



میر تقی میر

پیدائش: مئی ۱۷۲۳ء آگرہ

وفات: ستمبر ۱۸۱۰ء لکھنؤ

آسانیب: چھ دیوان اردو، ایک دیوان فارسی، ذکر میر، نکات الشعراء (تذکرہ)

غزلیات

حاصلاتِ تعلیم

یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) مخطوط ہوئیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کر سکیں۔ (۲) کسی منظوم تحریر پر استحضانی گفتگو کر سکیں۔ (۳) غزل میں رموز و اوقاف کا درست استعمال کر سکیں۔ (۴) درسی تحریر (غزل) کو اوصاف بلند خوانی (صحت تلفظ، لب و لہجہ، رموز و اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔

غزل - ۱

رہی گلفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

بہ رنگِ صوتِ جرس تجھ سے دُور ہوں تنہا
خبر نہیں ہے تجھے آہ، کارواں میری

اُسی سے دُور رہا اصل مدعا جو تھا
گئی یہ عمر عزیز آہ! رایگاں میری

ترے فراق میں جیسے خیالِ مفلس کا
گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میر
پڑی جہاں میں جا کر نظر جہاں میری

غزل - ۲

تھا مُستعارِ حُسن سے اُس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرہ ظہور تھا

مُنعم کے پاس قائم و سنبال تھا تو کیا؟
اُس رند کی بھی رات گزر گئی جو غور تھا

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا
یک سر وہ استخوانِ شکستوں سے چُور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر!
میں بھی کنبھو کسو کا سر پُر غرور تھا

تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میر
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا



سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

- (۱) اُسی سے دور رہا اصل مدعا جو تھا۔۔۔۔۔ گئی یہ عمرِ عزیز آہ! رایگاں میری
(۲) دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میر۔۔۔۔۔ پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں میری
(۳) تھا مستعار حُسن سے اُس کے جو نور تھا۔۔۔۔۔ خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرہ ظہور تھا
(۴) کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر۔۔۔۔۔ میں بھی کبھو کسو کا سر پُر غرور تھا

سوال نمبر ۲: درج ذیل اشعار کے محاسن بتائیے:

- (۱) منیم کے پاس قائم و سنجاب تھا تو کیا؟۔۔۔۔۔ اُس رند کی بھی رات کئی جو کہ غور تھا
(۲) ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا۔۔۔۔۔ گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

سوال نمبر ۳: درج ذیل اشعار میں مناسب جگہوں پر رموزِ اوقاف استعمال کیجیے:

- (۱) بنگلے سبھوں نے ہر جا اُنچے چھوئے زردے۔۔۔۔۔ میوے مٹھائی انبہ انگور اور سرورے
(۲) پکوان تازے تازے خاصے پلاؤ زردے۔۔۔۔۔ برسے ہے ابر باراں کھلوار ہے ہیں پردے

سوال نمبر ۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

صوتِ جرس	فکرِ پریشاں	مستعار	عمرِ عزیز	کاسۂ سر
----------	-------------	--------	-----------	---------

سوال نمبر ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) ”شکستوں“ سے مراد ہے:
(الف) ہارنا
(ب) ٹوٹ پھوٹ
(ج) ٹھوکریں
(د) نا اُمیدیاں
- (۲) ”فکرِ پریشاں“ کا مطلب ہے:
(الف) بے چین نظر
(ب) متلاشی نظر
(ج) پریشاں فکر
(د) دوست کی جدائی میں بے چین خیال
- (۳) ”رشتکِ حور“ کا مفہوم ہے:
(الف) حور کے لیے باعثِ رشتک
(ب) حور پر رشتک کرنے والا
(ج) حور جس پر فدا ہو
(د) حور جس پر رشتک کرے
- (۴) لفظ ”آتخوان“ کا مطلب ہے:
(الف) دسترخوان
(ب) آہنی ٹوپی
(ج) خوان چہ
(د) ڈھانچا

سرگرمیاں

- ❖ طلبہ ان غزلوں کے پسندیدہ شعروں کو زبانی یاد کریں گے اور کسی تقریر کے دوران حسبِ موقع پیش کرنے کی مشق کریں گے۔
- ❖ طلبہ جماعت کے ساتھیوں کو دو گروپوں میں تقسیم کریں گے۔ ہر گروپ ایک ایک غزل کو اوصافِ بلند خوانی کے مطابق پڑھے گا۔ (ضرورت پڑنے پر استاد/استانی رہ نمائی کریں گے)
- ❖ طلبہ دو گروپ بنائیں گے اور بیت بازی کا مقابلہ کریں گے جس میں مستند اور معیاری شعر، صحتِ تلفظ، مناسب لب و لہجہ، اعتماد اور مصرعوں / لفظوں کے اتار چڑھاؤ کا خیال رکھیں گے۔

برائے اساتذہ

- ❖ طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی، ضرورت کے مطابق مناسب رہ نمائی اور مشقی سوالات کے جوابات دینے میں ضروری معاونت کیجیے۔ نیز اشعار میں جو جو شعری محاسن آئے ہیں وہ طلبہ کو بتائیے۔

خواجہ حیدر علی آتش



پیدائش: ۱۷۷۸ء فیض آباد
وفات: ۱۸۳۸ء لکھنؤ
تصانیف: کلیات آتش

غزلیات

حاصلاتِ تعلیم

- یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) نسبتِ طویل کلام کے اہم نکات، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔
(۲) نسبتِ طویل کلام سن کر اپنے لفظوں میں بیان کر سکیں۔ (۳) غزل میں رموزِ اوقاف کا درست استعمال کر سکیں۔
(۴) حسنِ تعلیل کی تعریف کر سکیں۔

غزل - ۱

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا؟
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سوز رہ کف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا؟

اُڑتا ہے شوقِ راحت منزل سے اسپِ عمر
مہمیز کہتے ہیں کسے تازیانہ کیا!

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا!

آتی ہے کس طرح سے مرے قبضِ روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا!

یوں مدعیِ حسد سے نہ دے داد، تو نہ دے
آتشِ غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا!

غزل - ۲

چمن میں رہنے دے کون آشیاں، نہیں معلوم
نہال کس کو کرے باغِ باں، نہیں معلوم

اخیر ہو گئے غفلت میں دنِ جوانی کے
بہارِ عمر ہوئی کب خزاں، نہیں معلوم

سُپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق
اُٹھائے کون یہ بارِ گراں، نہیں معلوم

کھلی ہے خانہٴ صیاد میں ہماری آنکھ
قفس کو جانتے ہیں، آشیاں نہیں معلوم

چھٹیں گے زیست کے پھندے سے کس دن اے آتش
جنازہ ہو گا کب اپنا رواں نہیں معلوم



سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

- (۱) اڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر۔۔۔ مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا؟
(۲) سپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق۔۔۔ اٹھائے کون یہ بارِ گراں، نہیں معلوم

سوال نمبر ۲: درج ذیل اشعار کے محاسن کلام بتائیے:

- (۱) زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سوز بہ کف۔۔۔ قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا
(۲) چمن میں رہنے دے کون اشیاں، نہیں معلوم۔۔۔ نہال کس کو کرے باغِ باں، نہیں معلوم

سوال نمبر ۳: درج ذیل اشعار میں مناسب جگہوں پر رموزِ اوقاف استعمال کیجیے:

- (۱) پھر کوئی آیا دل زار نہیں کوئی نہیں۔۔۔ راہ رو ہوگا کہیں اور چلا جائے گا
(۲) ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار۔۔۔ لڑکھڑانے لگے ایوانوں سے خوابیدہ چراغ

سوال نمبر ۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

طبل و علم	نہال	صیاد	خلقِ خدا	اسپِ عمر	مدعی
-----------	------	------	----------	----------	------

سوال نمبر ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) لفظ ”مہمیز“ کے معنی ہیں:
(الف) بڑی میز
(ب) مہمانوں کا کمرہ
(ج) جس لفظ پر ہمزہ ہو
(د) سوار کے ایزی میں لگی لوہے کی کیل
- (۲) ”خانہ صیاد“ کہتے ہیں:
(الف) شکاری کے گھر کو
(ب) قید خانے کو
(ج) دھوکے باز کو
(د) تباہی کا گھر
- (۳) ”طبل و علم پاس ہونے“ سے مراد ہے:
(الف) جنگ کے لیے تیار ہونا
(ب) صاحبِ اقتدار ہونا
(ج) طاقت ور ہونا
(د) ہتھیار موجود ہونا
- (۴) آتش کی پہلی غزل کی ردیف ہے:
(الف) فسانہ
(ب) کیا
(ج) غائبانہ
(د) سُن
- (۵) دوسری غزل کی ردیف ہے:
(الف) کیا معلوم
(ب) خدا معلوم
(ج) نہیں معلوم
(د) نامعلوم

سرگرمیاں

طلبہ دو گروپوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔ ایک گروپ کسی اخبار یا رسالے کی کوئی نظم یا غزل منتخب کر کے سنائے گا۔ دوسرا گروپ اس نظم یا غزل کو اپنے لفظوں میں بتائے گا۔ پھر دوسرا گروپ پہلے گروپ کو غزل سنائے گا اور پہلا گروپ اس غزل یا نظم کو اپنے لفظوں میں بیان کرے گا۔ طلبہ ان غزلوں کو گروپ کی صورت میں ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

برائے اساتذہ

طلبہ کی سرگرمیوں کی حسب سابق نگرانی، ضروری اصلاح اور مشقی سوالات حل کرنے میں مدد کیجیے۔



مرزا اسد اللہ خاں غالب

پیدائش: دسمبر ۱۷۹۷ء آگرہ

وفات: فروری ۱۸۶۹ء دہلی

خطابت: نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ

عرفیت: مرزا نوشہ

تصانیف: غود ہندی، اردوئے معلیٰ اور پنج آہنگ (مخطوط)، مہر نیم روز (تاریخ)،

لطائف غیبی، قاطع برہان (لغات)، دیوان

غزلیات

حاصلاتِ تعلیم

یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) متن کو نسبتاً طویل کلام کے اہم نکات، جملہ، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔ (۲) منظوم اصناف کے طرز بیان سے آگاہ ہو سکیں۔ (۳) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔

غزل - ۲

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستان نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھائے کیوں

جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مہر نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں

قید حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں

غالب خستہ کے بغیر، کون سے کام بند ہیں
روئے زار زار کیا، کیجیے ہائے ہائے کیوں

غزل - ۱

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

میں بھی مٹھ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟
ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے؟

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟

مشق

سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

- (۱) دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے --- آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
(۲) قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں --- موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں

سوال نمبر ۲: غالب کا کلام کیا کہلاتا ہے؟ اور یہ کس نوعیت کا ہے؟

سوال نمبر ۳: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

سبزہ و گل	مدعا	جمالِ دل فروز	مہرِ نیم روز	نظارہ سوز
-----------	------	---------------	--------------	-----------

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) ”سنگ و خشت“ کے معنی ہیں:
(الف) ساتھ ساتھ (ب) اینٹ پتھر (ج) سنگ (د) دیوانہ
- (۲) لفظ ”دیر“ کے معنی ہیں:
(الف) تاخیر (ب) شمالی علاقے کا شہر (ج) غیر اسلامی عبادت گاہ (د) گھر
- (۳) ”مہرِ نیم روز“ کا مطلب ہے:
(الف) آدھے دن کا روزہ (ب) آدھی مہربانی
(ج) بیوی کی آدھی مہر (د) ٹھیک آدھے دن کا سورج
- (۴) غالب کی غزل - ۲ میں ”خستہ“ سے مراد ہے:
(الف) کرارا (ب) ٹوٹا ہوا (ج) زخمی (د) مفلس
- (۵) محاورہ ”منہ میں زبان رکھنا“ سے مراد ہے:
(الف) منہ میں جیہ (گوشت کا عضو) کا ہونا (ب) بولی جانا
(ج) وعدہ کرنا (د) بات کرنے کی جرأت کرنا

سرگرمیاں

طلبہ گروپوں کی شکل میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ہر گروپ کو الگ الگ شعری فن پارے کی اصطلاح دی جائے گی یعنی کسی کو مسدس، کسی کو مرثیہ وغیرہ۔ اب ہر گروپ اردو کی درسی کتابوں سے، یا رسالوں سے یا اخبارات سے دی گئی اصطلاحات کا مواد جمع کرے گا اور ایک ہفتے بعد کمرۂ جماعت میں پیش کرے گا۔

برائے اساتذہ

طلبہ کو مختلف اصنافِ سخن کے طرزِ بیان کا فرق سمجھائیے۔



دآغ دهلوی

پیدائش: ۱۸۳۱ء دہلی

وفات: ۱۹۰۵ء حیدرآباد دکن

تصنیف: گل زارِ دآغ، آفتابِ دآغ، مہتابِ دآغ، یادگارِ دآغ

غزل

حاصلاتِ تعلّم

یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) سُن کر نسبتہً طویل کلام کے اہم نکات، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔
(۲) نسبتہً طویل کلام سُن کر اپنے لفظوں میں بیان کر سکیں۔ (۳) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔
(۴) استعارے کی تعریف کر سکیں۔

اب دل ہے مقام بے کسی کا
یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا

جو دم ہے وہ ہے بسا غنیمت
سارا سودا ہے جیتے جی کا

آغاز کو کون پوچھتا ہے
انجام لیچھا ہو آدمی کا

ایسے سے جو دآغ نے نباہی
سچ ہے کہ یہ کام تھا اسی کا



سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں ---- کہنا نہیں مانتے کسی کا

(۲) آغاز کو کون پوچھتا ہے ---- انجام اچھا ہو آدمی کا

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و ترکیب کا مفہوم واضح کیجیے:

سودا	نہا ہی	کسر ہونا	یسا غنیمت	بے کسی
------	--------	----------	-----------	--------

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) الفاظ آغاز اور انجام میں صنعت ہے:
(الف) مبالغہ (ب) تشبیہ (ج) تضاد (د) تعلیل
- (۲) الفاظ ”عیش، خوشی“ میں صنعت ہے:
(الف) تضاد (ب) تعلیل (ج) مبالغہ (د) رعایت لفظی
- (۳) الفاظ ”اتنی ہی“ اور ”بسا غنیمت“ میں صنعت ہے:
(الف) مبالغہ (ب) رعایت لفظی (ج) تعلیل (د) تضاد
- (۴) الفاظ ”بے کسی اور تباہ“ میں صنعت ہے:
(الف) تشبیہ (ب) استعارہ (ج) رعایت لفظی (د) مبالغہ
- (۵) اس غزل میں لفظ ”دم“ کے معنی ہیں:
(الف) سانس (ب) پھونک (ج) ٹسہ (د) وقت

﴿ استعارہ: ﴾

- (الف) آئے نکل کے ابن علی شیر کی طرح (تشبیہ)
- (ب) کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے (استعارہ)
- (ج) ”میرے چاند سے میٹے ادھر آ۔“ (تشبیہ)
- (د) ”میرے چاند ادھر آ۔“ (استعارہ)

مذکورہ مثال (الف) میں امام حسینؑ کو شیر جیسا کہا گیا ہے لیکن جزو (ب) میں صرف شیر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جب کہ شیر سے مراد حضرت امام حسینؑ ہی ہیں۔
مثال (ج) میں ایک ماں اپنے بچے کو جیسا کہہ رہی ہے مگر جزو (د) میں ماں اسی بچے کو شیر کہہ کر مخاطب کر رہی ہے۔
”استعارہ“ کے لفظی معنی اُدھار یعنی مُستعار لینے کے ہیں۔ اگر کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اسی طرح استعمال ہو کہ اُس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اُسے استعارہ کہیں گے۔ جیسے امثالِ بالا میں شیر اور چاند استعارے ہیں۔

ارکانِ استعارہ: مُستعار منہ: وہ شخص یا چیز جس سے کوئی لفظ یا خوبی اُدھار لی جائے۔ (درج بالا مثالوں میں شیر۔ چاند)
مُستعار لہ: وہ شخص یا چیز جس کے لیے کوئی لفظ یا خوبی اُدھار لی جائے۔ (درج بالا مثالوں میں امام حسینؑ۔ بچہ)
وجہِ استعارہ: مُستعار منہ اور مُستعار لہ میں موجود مشترک خوبی۔ (درج بالا مثالوں میں بہادری۔ خوب صورتی)

سوال نمبر ۴: درج ذیل مصرعوں میں استعارہ اور ارکانِ استعارہ تلاش کیجیے:
(الف) اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی (ب) اس باغ میں چشمتے ہیں ترے فیض کے جاری
سوال نمبر ۵: تشبیہ اور استعارے کا باہمی فرق بتائیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ گروپوں کی شکل میں تقسیم ہوں گے پھر ہر گروپ دوسرے گروپ کو کلامِ داغ سنائے گا اور وہ گروپ نسبتاً طویل کلام سن کر اپنے لفظوں میں بیان کریں گے۔
- طلبہ دو گروپ بنا کر بیت بازی کی محفل منعقد کریں گے۔ جس میں مستند اور معیاری شعر پڑھیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں اور مشقی سوالات حل کرنے میں اُن کی رہ نمائی کیجیے۔



حسرت موہانی (سید فضل الحسن)

پیدائش: ۱۸۷۵ء موہان (ہندوستان)

وفات: ۱۹۵۱ء لکھنؤ

آصاف: کلیات حسرت موہانی، نکاتِ سخن

غزل

حاصلاتِ تعلیم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) متن کر نسبتاً طویل کلام کے اہم نکات، جملے، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔ (۲) درسی تحریر (نظم) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، لب و لہجہ، رموز و اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۳) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔ مثلاً: مسدس، مخمس، مرثیہ وغیرہ کی شناخت

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا گئے ہیں بے دلی ہم رہاں سے ہم
معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم
مایوس بھی تو کرتے نہیں تم زراہِ ناز
تنگ آگئے ہیں کشِ کشِ امتحاں سے ہم
ہے انتہائے یاس بھی اک ابتداے شوق
پھر آگئے وہیں پہ، چلے تھے جہاں سے ہم
حسرت پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی
اچھا، جو سر اٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم



سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

- (۱) معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا۔۔۔۔۔ اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم
(۲) ہے انتہائے یاس بھی اک ابتداے شوق۔۔۔۔۔ پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و ترکیب کا مفہوم واضح کیجیے:

تنگ آنا	سر اٹھانا	زراہ ناز	کش مکش	بے دلی ہم رہاں	یاس
---------	-----------	----------	--------	----------------	-----

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) لفظ ”سر اٹھانا“ ہے:
 - (الف) فعل (ب) محاورہ (ج) روزمرہ (د) مصدر
- (۲) ”ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق“ اس مصرعے میں صنعت ہے:
 - (الف) مبالغہ (ب) تضاد (ج) تشبیہ (د) تالیف
- (۳) ”حسرت پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی“ یہ مصرع ہے:
 - (الف) مطلع کا (ب) مقطع کا (ج) شعر کا (د) رباعی کا
- (۴) ”اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم“ اس مصرعے میں رمز وقف ہے:
 - (الف) سکتہ (ب) ختمہ (ج) ندائیہ (د) استفہامیہ
- (۵) اس غزل کے مقطعے میں لفظ ”اور“ سے مراد ہے:
 - (الف) مزید (ب) اس کے علاوہ (ج) طرف (د) دوسرا

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ گروپ بنائیں گے اور اس غزل کے شعر ایک دوسرے کو پڑھ کر سنائیں گے اور جو طالب علم کوئی مصرع یا شعر یاد کر لے گا وہ گروپ والوں کو سنائے گا۔
- ✦ طلبہ گروپوں میں صنفِ غزل کی فنی اصطلاحات پر تبادلہ خیالات کریں گے۔

برائے اساتذہ

- ✦ طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کیجیے اور فنی اصطلاحات کے تعین میں ان کی مدد کیجیے۔



منیر نیازی (منیر احمد)

پیدائش: ۱۹۲۷ء ہوشیار پور (ہندوستان)

وفات: دسمبر ۲۰۰۶ء لاہور

آصاف: بے وفا کا شہر، تیز ہوا اور تنہا پھول، جنگل میں دھنک،
 ماہ منیر، چھ رنگین دروازے۔

غزل

حاصلاتِ تعلیم

یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) سن کر نسبتاً طویل کلام کے اہم نکات، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔
 (۲) منظوم اصناف کے طرز بیان سے آگاہ ہو سکیں۔ (۳) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔

سُن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں
 ان اُمتوں کا ذکر جو رستوں میں مر گئیں

صَـرَـصَـر کی زد میں آئے ہوئے بام و در کو دیکھ
 کیسی ہوئیں! کیسا نگر! سرد کر گئیں!

کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کُھلے
 کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں!

تنہا اُجاڑ برجوں میں پھرتا ہے تو منیر
 وہ زرفشائیاں ترے رُخ کی کدھر گئیں!



احمد فراز (سید احمد شاہ)

پیدائش: ۱۹۳۱ء کوہاٹ

وفات: ۲۰۰۸ء اسلام آباد

تصنیف: جاناں جاناں، تنہا تنہا، درد آشوب، شب خون، خواب گل پریشاں ہے، میرے خواب ریزہ ریزہ، غزل بہانہ کروں۔

غزل

حاصلاتِ تعلّم

۱) نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) کسی منظوم تحریر پر استحضانی گفتگو کریں۔ (۲) منظوم اصناف کے طرز بیان سے آگاہ ہو سکیں۔ (۳) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کریں۔

دوست بن کر بھی نہیں ساتھ نبھانے والا
وہی انداز ہے ظالم کا زمانے والا

اب اسے لوگ سمجھتے ہیں گرفتار مرا
سخت نادم ہے مجھے دام میں لانے والا

کیا کہیں کتنے مرا ہم تھے ہمارے، اس سے
وہ جو اک شخص ہے منہ پھیر کے جانے والا

میں نے دیکھا ہے بہاروں میں چمن کو جلتے
ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا؟

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا



سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) سن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں --- ان امتوں کا ذکر جو رستوں میں مر گئیں

(۲) کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے --- کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں

(۳) میں نے دیکھا ہے بہاروں میں چمن کو چلتے۔۔۔۔ ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا

(۴) تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز۔۔۔۔ دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و محاورات کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

بُرج	زو میں آنا	زرفشانی	دام میں لانا	منہ پھیر کے جانا
------	------------	---------	--------------	------------------

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) صرصر ایک ہوا ہے جو چلتی ہے:
- (الف) جنگل میں (ب) سمندر پر (ج) صحراؤں میں (د) دریاؤں میں
- (۲) لفظ ”بہار اور چمن“ ایک دوسرے کے ہیں:
- (الف) مترادف (ب) مخالف (ج) متبادل (د) رعایت لفظی
- (۳) تکلف، اخلاص، دوست۔ ان لفظوں کے لیے یہ صنعت ہوتی ہے:
- (الف) تضاد (ب) رعایت لفظی (ج) مبالغہ (د) تلمیح
- (۴) منیر نیازی کی غزل میں قافیے کے طور پر استعمال ہوا ہے:
- (الف) گئیں (ب) منیر (ج) کر (د) صرصر
- (۵) منیر نیازی کی غزل کے مطلع میں لفظ استعمال ہوا ہے:
- (الف) ذکر (ب) صرصر (ج) نگر (د) زر

سرگرمیاں

طلبہ گروپوں کی شکل میں تقسیم ہو کر یہ دونوں غزلیں زیر بحث لائیں گے اور ان میں خوبیاں تلاش کر کے جماعت میں پیش کریں گے۔

طلبہ لائبریری یا اخبارات سے مختلف ہیئت کی نظمیں یا غزلیں لکھ کر لائیں گے اور معلم/معلمہ کو دکھائیں گے۔

برائے اساتذہ

طلبہ کی سرگرمیوں میں ان کی رہ نمائی کیجیے اور مختلف شعری فن پاروں کی اصطلاحات کا تعارف کرائیے۔



قابل اجمیری (عبد الرحیم)

پیدائش: ۱۹۳۱ء اجمیر شریف

وفات: ۱۹۶۲ء حیدرآباد، سندھ

تصنیف: دیدہ بیدار، خونِ رگِ جاں، کلیاتِ قابل۔

غزل

حاصلاتِ تعلّم

- یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) شعر سن کر محفوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کر سکیں۔
(۲) درسی تحریر (غزل) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، درست لب و لہجہ، رموزِ اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔
(۳) تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (غزل، نظم وغیرہ) کا مناسب انتخاب کر کے پیش کر سکیں۔

عشرتِ زیت کہاں غم کے ہنر ہونے تک
پھول بھی ہنس نہ سکے چاک جگر ہونے تک

رات کٹ جائے گی چھا جائے گا زنداں پہ سکوت
شورِ زنجیر ہے دیوار میں در ہونے تک

ظلمت و نور میں تفریق ابھی مشکل ہے
رات، سو رنگ بدلتی ہے سحر ہونے تک

سورج ابھرے گا تو چھٹ جائیں گے راہوں کے غبار
منزلیں گم ہیں مگر گرم سفر ہونے تک

منزلِ شب میں یہی رختِ سفر ہے قابل
درد کی خیر مناتا ہوں سحر ہونے تک



سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

- (۱) ظلمت و نور میں تفریق ابھی مشکل ہے۔۔۔۔۔ رات سو رنگ بدلتی ہے سحر ہونے تک
(۲) عشتِ زیت کہاں غم کے ہنر ہونے تک۔۔۔۔۔ پھول بھی ہنس نہ سکے چاک جگر ہونے تک

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و محاورات کا مفہوم واضح کیجیے:

رختِ سفر	عشرتِ زیست	رات کٹ جانا	چاک جگر ہونا	گرم سفر ہونا
----------	------------	-------------	--------------	--------------

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) ”رات کٹ جانا، سکوت، شورِ زنجیر، دیوار، در، زندان“ ان لفظوں میں صنعت پائی جاتی ہے:
(الف) صنعتِ تضاد (ب) مراعاتِ النظیر (ج) تعلیل (د) مبالغہ
- (۲) عشرتِ زیست سے مراد ہے:
(الف) غم زدہ حیات (ب) عیش والی حیات (ج) ابدی حیات (د) آبِ حیات
- (۳) شاعر نے غزل میں تعریف کی ہے:
(الف) ظلمت و نور سے (ب) رنگ و بو سے (ج) نورِ سحر سے (د) چاند و سورج سے
- (۴) غزل کے آخر میں ہوتا ہے:
(الف) مطلع (ب) مقطع (ج) تخلص (د) ردیف
- (۵) کٹ جائے گی:
(الف) صبح (ب) شام (ج) رات (د) سحر

سرگرمیاں

- ✦ طلبہ مختلف گروپوں میں تقسیم ہو کر اسکول لائبریری، اخبارات، رسالوں یا درسی کتابوں سے تخلیقی سطح کی کوئی غزل یا نظم منتخب کر کے جماعت میں پیش کریں گے۔
- ✦ طلبہ اوصافِ بلند خوانی کو پیشِ نظر رکھ کر غزل پڑھنے کا مقابلہ کریں گے۔

برائے اساتذہ

- ✦ طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق رہ نمائی کیجیے۔ نئی صنعتوں کی خاص طور پر تفہیم ضروری ہے۔
- اس کام کے لیے جماعت میں پڑھانے سے قبل خود مطالعہ کیجیے اور تخلیقی تحریر (غزل) کا انتخاب کر کے طلبہ کو دکھائیے اور سمجھائیے۔



پروفیسر آفاق صدیقی

پیدائش: ۱۹۲۸ء فرخ آباد (ہندوستان)

وفات: ۲۰۱۲ء کراچی

تصانیف: سندھی ادب کے اردو تراجم، ریگ زار کے موتی، پیام لطیف، شاہ لطیف اور عصر حاضر
عکس لطیف، ریزہ جال، قلب سراپا

پیام لطیف (اردو ترجمہ)

حاصلتِ تعلیم یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) شعر سن کر محفوظ ہو سکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کر سکیں۔
(۲) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔ مثلاً: مُرُج، مَحْسوس وغیرہ

اول نام اللہ کا اعلیٰ اور علیم
قادر اپنی قدرت سے، قائم اور قدیم
والی، واحد، وحدہ، رازق، رب، رحیم
بڑھ کر ہے، حمد سے اس کی حمد حکیم
ہے سارے سنسار کا مالک وہی کریم

اگر اللہ پر رکھتے ہو ایمان
رسول پاک سے بھی کو لگاؤ
سمائے جس میں دونوں ہی کا سودا
کسی در پر نہ اس سر کو جھکاؤ

جنہوں نے دل سے اُس یکتا کو مانا
محمدؐ کو بہ صد اخلاص جانا
کبھی بھٹکیں نہ سیدھی راہ سے وہ
جنہیں حاصل ہوا سچا ٹھکانا

جس کی فطرت میں ہو تن آسانی
جس کی آرام سے گزرتی ہے
کیا خبر اس کو، خستہ حالی پر
بے کسی کتنے وار کرتی ہے



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) اس نظم میں شاعر نے اللہ پاک کی کیا کیا صفات بیان کی ہیں؟
- (۲) حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّیْنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے ”لو لگائے“ سے کیا مراد ہے؟
- (۳) ”نفس کی پیروی“ سے کیا مراد ہے اور اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ تفصیلاً بیان کیجیے۔
- (۴) دنیا میں کسے سچا ٹھکانا ملتا ہے؟
- (۵) آرام پرستی کے کیا کیا نقصانات ہیں؟ واضح کیجیے۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم واضح کیجیے:

قائم و دائم	اخلاص	تن آسانی	خستہ حالی	پیروی
-------------	-------	----------	-----------	-------

سوال نمبر ۳: اس منظوم ترجمے میں سے محاورے تلاش کر کے تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

- (۱) ”اول نام ہے: (الف) حدیث کا (ب) قرآن کا (ج) اللہ کا (د) نماز کا
- (۲) بھٹکے ہوئے کو دکھانا چاہیے: (الف) سیدھا رستہ (ب) واضح نقشہ (ج) ٹی وی پر منظر (د) گھر کا پتا
- (۳) بے کسی کرتی ہے: (الف) کم زور (ب) بیمار (ج) حملہ (د) بے بس
- (۴) ”پیام لطیف“ پیغام ہے: (الف) حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائیؒ کا (ب) حضرت سچل سرمستؒ کا (ج) بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا (د) حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا
- (۵) شاہ عبد اللطیف بھٹائیؒ کی شاعری کا انداز ہے: (الف) اصلاحی (ب) عوامی (ج) سیاسی (د) نعتیہ

سرگرمیاں

طلبہ اس نظم کا اصل سندھی متن تلاش کریں گے اور اُسے زبانی یاد کریں گے۔
آفاق صدیقی کے علاوہ کس کس مترجم نے شاہ صاحب کی منظومات کے ترجمے کیے ہیں؟ طلبہ کسی دو مترجموں کے چار چار شعروں کے ترجمے تلاش کر کے اپنی ڈائری میں لکھیں گے اور کمرہ جماعت میں ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

وائی خالصتا سندھی زبان کی صنف ہے جس میں درد و سوز، کرب کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

برائے اساتذہ

حضرت عبداللطیف بھٹائی کی اصل نظم تلاش کرنے میں طلبہ کی مدد کریں۔
طلبہ کو صنفِ سخن وائی کے اہم نکات بتائیں۔ نیز ترجمے کے فنی پہلوؤں سے بھی آگاہ کریں۔

فرہنگ

زبانِ گویا

زبانِ گویا: کہنے/بولنے والی زبان۔
 طوطی شیوا بیان: فصیح گفتگو کرنے والی زبان مراد ہے۔
 بلبل ہزار داستان: خوش بیان یعنی زبان۔
 قاصد: پیغام پہنچانے والا۔
 ساحر: جادو کرنے والا۔
 فُصول ساز: جادوگر۔
 آفتی: نہایت زہریلا سانپ۔
 جاں گداز: جان گھلانے والا۔ دل پر اثر کرنے والا۔
 دارو: دوا۔
 منتر: جادو۔
 فُگار: زخمی۔
 بس کی گانٹھیں: زہر کی گٹھلیاں۔
 بول: قول۔ سخن۔
 خُٹل: ایک نہایت بد ذائقہ پھل۔
 تریاق: زہر کی دوا۔ زہر کا توڑ۔
 پارہ گوشت: گوشت کا ٹکڑا۔
 رایگاں: بے کار۔
 راستی: سچائی۔
 جوہر: ہنر، کمال، لیاقت۔
 امین: امانت دار۔
 ایلچی: قاصد۔
 منُصب: مرتبہ۔
 عالی: بلند۔
 کاشفِ اُسرار: بھید کھولنے والا۔
 محرم راز: ہم راز۔

قومی اتفاق

جبلِ اُنتین: مضبوط رستی یعنی کلمہ طیبہ۔
 نیست و نابود: تباہ و برباد، معدوم۔
 اَلْغُرُوۃُ الْوُثْقٰی: مضبوط گرفت یعنی اللہ کی رستی کو مضبوطی سے تھامنا۔
 یک جہتی: اتفاق۔
 بہ ایں ہمہ: اس سب کے ساتھ۔
 فُروعی مسائل: ضمنی، جزوی، غیر اہم یا معمولی مسائل۔
 جمعیت: اکٹھا پن یعنی جماعت، گروہ۔
 عداوت و نفاق: دشمنی اور نا اتفاقی۔
 یکیتائی: وحدت۔
 مُبَدِّل: تبدیل۔
 مُقَدِّس: پاک۔
 حیلے: بہانے۔
 تکفیر: کافر کہنا۔
 اُبنائے جنس: ایک ہی جنس کے یعنی ہم قوم۔
 اِعتقاد: یقین یا عقیدہ۔
 اُمر: کام۔
 صُرر: تکلیف۔
 اِمانت: مدد۔
 تہذنی اُمور: مل کے رہنے کی باتیں۔
 ہم سائے: پڑوسی۔
 جُزو: حصہ۔
 ہم سایگی: پڑوس۔
 تہذن و معاشرت: آپس میں مل جل کر زندگی گزارنا۔
 طبائع: طبیعت کی جمع۔ عادتیں۔
 تنازعات: جھگڑے۔
 نَسیا نَسیا: بالکل بھولا بسرا۔ فراموش۔

خزانہ غیبی: چھپا ہوا خزانہ۔

قفل: تالا۔

کنجی: چابی۔

تلقین و ارشاد: تعلیم و تربیت۔

ناصح مشفق: مہربان نصیحت کرنے والا۔

صفت: خوبی۔

غیبت: پیٹھ پیچھے برائی۔

شہمت: عیب / الزام۔

زبوں: خراب۔

زیان: نقصان۔

شہدِ فائق: اچھا شہد۔ خالص شہد۔

راست گفتار: سچ کہنے والا۔

فریبی: دھوکا دینے والا۔

مکار: دھوکے باز۔

سخن ساز: باتیں بنانے والا۔

ریاکار: دکھاوا کرنے والا۔

بد عہد: وعدہ خلاف۔

غماز: چُغل خور۔

مکرو و افترا: دھوکا اور الزام تراشی۔

ظعن: طنز۔

تشنیع: بُرا بھلا کہنا۔

دُشنام: بدکلامی۔

پھکڑ: گالی گلوچ۔

ضلع جگت: ذومعنی بات / لطیفہ۔

پھبتی: طنز یہ فقرہ جو کسی پر چست کیا جائے۔

سزاوار: لائق۔

مطلق العنان: بے لگام۔

رخصت گفتار: گفتگو کی اجازت۔

فاتے میں روزہ

فاتہ: بے کھائے پیے ہونا۔ بھوکا ہونا۔

لونڈی: خادمہ۔

تیموریوں: امیر تیمور کی اولاد۔ مغل بادشاہ مراد ہیں۔

مغموم: غم زدہ۔

ندیم: دوست / ساتھی۔

خیر باشد: خیر تو ہے؟

مکدر: غم گین۔

مُصاحب: ساتھ رہنے والا۔

جھگڑے: جھوم۔ بھید بھاڑ۔

صلاح: مشورہ۔ تجویز۔

مُراقبہ: خدا کا دھیان۔

گلُ جَدید لَذیذ: ہر نئی چیز مزے دار معلوم ہوتی ہے۔

مُکلف: پُر تکلف۔

خوان پوش: تھال ڈھکنے کا کپڑا۔

مُقیثی: سونے چاندی کے تاروں کی بنی ہوئی۔

آرائش: سجاوٹ۔

تاراج: برباد۔

غدر: بغاوت، مراد ہے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

کرچ = ایک قسم کی لمبی تلوار

سنگین: ایک نوک دار ہتھیار جو بندوق پر چڑھایا

جاتا ہے۔

حکیمانہ توڑ جوڑ: دھوکا دہی اور سازش۔

آتش ناک: آگ سے بھری۔

حضور ظل سبحانی: بادشاہ۔

جولاں گاہ: گھڑ دوڑ کا میدان۔

لُق و ذُق: ویران۔

زار و زار: ناتواں۔

ولاسہ: تسلی۔

جواہر نگار: قیمتی پتھروں سے آراستہ۔

سرکشی: بغاوت۔

بھادوں: ہندی چاند کا چھٹا مہینا (تقریباً نصف اگست

سے نصف ستمبر تک)

لہو و لعب: کھیل کود۔

لوٹ پیٹ کر اچھے ہونا: پیار ہو کر بغیر دوا کھائے اچھا ہو جانا
 غرقاب: پانی کے اندر۔
 جھپٹ: بھٹوس کا سائبان۔
 بلیوں: بلی کی جمع۔ لکڑی کے ستون۔
 کھیل: وہ بھٹنا ہوا انسان جو پھول گیا ہو (مثلاً چاول کے مرمرے)
 منتغیر: بدلا ہوا۔
 شیوہ: طریقہ۔

پرویم کی کہانی

آن مول: بے حد قیمتی۔
 حمل و نقل: بوجھ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔
 سر دست: ابھی۔
 جزیرہ زائے: یونان کا ایک جزیرہ۔
 صقلیہ: اٹلی کا ایک جزیرہ جسے اطالوی میں سلیہ اور
 عربی میں صقلیہ کہتے ہیں۔
 قیر: ایک کالا گوند۔
 مزیّن: سجائے ہوئے۔
 زبونی: تہ سے نسبت رکھنے والی شے۔
 چٹانیں: چٹان کی جمع۔ بڑا اور چوڑا پتھر۔
 ندو جزر: اتار چڑھاؤ۔
 بل چل: بے قراری۔
 منام: منم کی جمع۔ بہت باریک / مہین سورخ۔
 آتش فشانی: آگ جھاڑنا۔
 سنگ خارا: نیلے رنگ کا سخت پتھر۔
 ارضیات: زمین کے طبقوں کا علم (جیولوجی)۔

گچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں

تصفیہ: فیصلہ۔

نادری زبان: ماں کی زبان۔
 پدری زبان: باپ کی زبان۔
 ثانوی: دوسری۔

آرباب: بصیرت: باشعور لوگ۔
 تحصیل: حاصل کرنا۔
 عظام: عظیم کی جمع۔
 صوفیائے کرام: نیک پرہیزگار اور بڑے لوگ۔
 علمائے عظام: علم رکھنے والے عظیم لوگ۔
 اسالیب: اسلوب کی جمع۔ تحریر کے انداز۔
 آبیاری: پانی دینا۔
 تنوع: قسم قسم کا ہونا۔
 سایہ عاطفت: مہربانی کا سایہ۔
 ساقط: گرا ہوا / مسترد۔
 اصطلاحات: اصطلاح کی جمع۔ مرادی معنی۔
 مقررہ: فرض، کیے ہوئے / کیا ہوا۔
 مرہون منت: احسان مند۔
 مقدم: اہم تر۔

سندھی شاعری کے تراجم

لسانی: زبان سے متعلق۔
 عصری: زمانے سے نسبت رکھنے والے۔
 تقاضوں: ضرورتوں۔
 مُد: مدد کرنے والا۔
 معاون: مددگار۔
 مسودے: مسودہ کی جمع۔ وہ ابتدائی تحریر جسے بعد میں
 صاف اور صحیح کرنے کی ضرورت ہو۔
 گر: راز۔
 مشترکات: ایسی باتیں جن میں شرکت ہو (مشترک کی جمع)۔
 سرمایہ کیف: سرور کی دولت۔
 لطیفیات: شاہ عبداللطیف بھٹائی کے متعلق علم۔
 مختدبہ: شمار کیا ہوا / قابل اعتماد۔
 کسبی: کوشش سے حاصل کردہ۔
 مستثنیات: مستثنیٰ کی جمع۔ چنے ہوئے / وہ چیزیں جنہیں
 علاحدہ کر دیا گیا ہو۔

چیزے وگر : خاص چیز۔

آیات : بیت کی جمع۔ اشعار۔

دل دَاؤہ : عاشق۔

إبلاغ : پہنچانے کا عمل۔

مُستشرقین : مُستشرق کی جمع۔ مغربی عالم یا محقق جن کو کسی مشرقی علم پر عبور ہو۔

دست رَس : قدرت۔

تَعَاوُف : تہذیب۔

ہم سری : برابر۔

ہم راہی : ساتھ۔

فاضلانہ : عالمانہ۔

بیش تر : اکثر / زیادہ تر۔

تَغْزُل : غزل کی صورت میں۔ غزل کی خاص خوبیوں کے مجموعے کا نام۔

خوش آئند : خوش گوار / بھلا معلوم ہونے والا۔

راقم الحروف : حرفوں کا لکھنے والا۔

ہمت افزائی : حوصلہ بڑھانا۔

کَمَا حَقُّہ : جیسا کہ اس کا حق ہے۔

کلا سکی : قدیمی / اعلیٰ درجے کا۔

وثوق : اعتماد۔

زیور کا ڈبّا

اُڑا لے جانا : پُرا لینا۔ غائب کر دینا۔

اقبال کرنا : قبول کرنا۔ اقرار کرنا۔ تسلیم کرنا۔

اُمَنگ : جوش۔ کام یابی کی خوشی۔ بہت خوشی۔

إیشور : خدا (ہندوؤں کے خیال میں)

آراستہ : سجایا ہوا۔

آزردہ : خفا۔ ناراض۔

آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی : نظر ایک مرکز پر نہیں رکتی تھی۔

بَرّاز : کپڑا بیچنے والا۔

بِساطی : گھر کی ضرورت کا سامان پھیری لگا کر بیچنے والا۔

بنیا : غلے اور پرچون کی تجارت کرنے والا۔

بھگوان : خدا (ہندوؤں کے خیال میں)

پانی پھیر دیا : محنت برباد کر دی۔

پنڈتوں : نجومیوں۔ ہندو مذہب کے عالموں۔

پیش تر : پہلے۔

پھاڑ کھائے گا : ویران ہو جائے گا۔ ڈراؤنا محسوس ہو گا۔

چڑھاوا : دُھن کو زیور پہنانے کی رسم۔

چُول : لکڑی کا وہ سراج دوسری لکڑی میں کٹاؤ کر کے داخل

کیا جائے۔ وہ چھید جس میں دوسری لکڑی ملائی جائے۔

چہرہ فق ہونا : خوف یا حیرت کی وجہ سے چہرے کا رنگ بدلنا۔

حیوانیت : حیوانی خصوصیات۔ جنگلی پن۔ درندگی

خستہ حال : پریشان حال۔ بد حال۔

خُمیا زہ اُٹھانا : سزا بھگتنا۔ نقصان یا تکلیف برداشت کرنا۔

دبے پاؤں : آہستہ آہستہ۔ چُپکے چُپکے۔

دھرے رہ گئے : پڑے رہ گئے۔ کسی کام نہ آئے۔

سیندھ : دیوار میں چوری کے لیے سوراخ یا چھید۔

شیریں : میٹھا۔ خوش گوار۔

صلاح : مشورہ۔ رائے۔ تجویز۔

صمانت : ذمّے داری۔

ضمیر : دل۔ قلب۔ دل میں موجود اچھائی اور بُرائی یا

صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی صلاحیت۔

طرّار : تیز زبان۔ فر فر زبان چلانے والا۔

طشتری : چھوٹی رکابی یا پلیٹ۔

غیبی : چھپا ہوا۔ پوشیدہ

کارستانی : چالاک۔ ہوش یاری۔ شرارت

کُند ذہن : کم عقل۔

کلجے پر سانپ لوٹنے لگا : رشک یا حسد محسوس ہوا۔

رُنج صدمہ یا افسوس ہوا۔

گرائی : بوجھ۔ بد ہضمی۔

آپ حیات

آبدی : دائمی۔ ہمیشہ رہنے والی۔
 آطس : ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔
 اللہ توکل : اللہ کے بھروسے پر۔
 آخر : نہ مرنے والا۔ لازوال۔
 آپ حیات : وہ روایتی پائی جس کے بارے میں کہا گیا ہے
 کہ اُسے پینے سے انسان ہمیشہ کی زندگی حاصل
 کر لیتا ہے۔ آپ بقا
 بقا : باقی رہنا۔ بھینگی۔
 بین کرنا : مردوں کی خوبیاں بیان کر کے رونا اور رُلانا۔
 پچھتاوا : افسوس۔ ندامت۔
 پڑاؤ ڈالنا : کسی جگہ قیام کرنا۔
 ٹکا بوٹی کرنا : ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔
 چارہ : تدبیر۔
 جتن : فکر۔ تدبیر۔ کوشش۔ بندوبست
 جوگی : ہندو فقیر۔ پجاری۔ جادوگر
 چھیلنا : کھال اُتارنا۔
 حلال کیا : ذبح کیا۔
 خدا ترس : رحم دل۔
 دائمی : ابدی۔ ہمیشہ رہنے والی۔
 دھونی جگانا : آگ لگانا۔
 ڈھیر ہو جانا : مرجانا۔
 رات کے چار پہر : تین تین گھنٹے پر مشتمل رات کے چار حصے۔
 زنبیلیں : ٹوکریاں۔ تھیلے۔
 ساون بھادوں : برسات کا پہلا اور دوسرا مہینا۔
 شپٹا گئے : گھبرا گئے۔ حیران ہو گئے
 سچے موتی : اصلی موتی۔
 سراسر : تمام۔ سر بہ سر۔
 سوئی کا ناکا : سوئی کا چھید یا سوراخ۔

گلا بھڑانا : جان بھڑانا۔
 گل کھلنا : عجیب یا انوکھی بات ظاہر ہونا۔ بھید کھلنا۔
 شور مچنا۔ طوفان اٹھنا۔
 لحاظ : مرؤت۔ شرم۔ خیال۔ احتیاط
 مطلق : بالکل۔ قطعی۔
 مُجھڑہ : وہ بات جس کے کرنے پر انسان قادر نہ ہو۔ وہ
 انوکھی بات جو نبی سے ظاہر ہو۔
 ملامت آمیز الفاظ : ڈانٹ ڈپٹ والے کلمات۔
 من کی مٹھائی : خیالی خوشی۔
 موٹا کھانے، موٹا پہننے : گھٹیا اور ادنیٰ درجے کا کھانے
 اور پہننے۔
 وساطت : ذریعہ۔ واسطہ۔

بابا نور

بُجھی ہوئی آواز : ہلکی، دھیمی آواز۔
 بھونرا : سیاہ رنگ کا ایک بڑا کیرا۔
 پگ ڈنڈی : جنگلوں یا کھیتوں وغیرہ میں تنگ کچا راستہ۔
 بھٹنا : بیل گاڑی یا گدھا گاڑی میں لگنا۔
 چٹھی : خط۔
 دستی : ہلکی پھلکی شے جو آسانی سے ہاتھ میں لی جاسکے۔
 دم بہ خود : چُپ۔ خاموش۔
 رنگ فٹ ہو گیا : پریشانی سے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔
 ٹمٹمانا : مُرجھنا۔ رونق نہ رہنا۔ سوکھنا۔ غم گین ہونا۔
 گھر کا : جھڑکا۔ ڈانٹا۔
 محراب : کمان کی شکل کا خانہ یا طاقہ۔
 بداری : بازی گر۔ تماشا دکھانے والا۔
 مستقید کرنا : فائدہ پہنچانا۔
 مینڈ : کھیت کی منڈیر یا کنارہ۔
 نصیب : نصیب۔ قسمت۔ تقدیر۔

شکوہ : شکایت - گلہ -
 طعنہ دینا : بُرا بھلا کہنا - ملامت کرنا - چھیڑنا -

قطب تارا : ایک نہایت روشن تارا -
 کھوج لگانا : پتا لگانا - ٹھکانا معلوم کرنا - خبر لگانا -
 گرتے پڑتے : بڑی مشکل سے - جوں توں کر کے -
 گوشت پوست : گوشت اور کھال -
 مچھلی کی کلیاں : مچھلی کے کھلے یا جڑے -
 مرجان : چھوٹا موتی -
 مصمم ارادہ : پکا ارادہ -

منسوب کرنا : کسی سے نسبت دینا یا تعلق جوڑنا -
 ناگہانی : اچانک ہونے والی -
 وابستگی : تعلق - رشتہ -
 ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہ دینا : بہت اندھیرا ہونا -

میدان جنگ

اجل : موت - مرگ -
 پاش پاش : ٹکڑے ٹکڑے -
 پروردگار : پرورش کرنے والا - اللہ تعالیٰ -
 پھولتی پھلتی : آباد - خوش حال -
 جلاد : ظالم - بے درد - قاتل -
 چراغ بجھانا : نیست و نابود کرنا -
 خوں خوار : ظالم -

دُہائی دے دے کر : قسم دے دے کر -
 سام : ایک ایرانی پہلوان - رستم کا دادا -
 سجدہ ہائے نیاز : وہ سجدے جن میں عاجزی اور محبت ہو
 یا کوئی حاجت اور خواہش ہو -

شرم رکھنا : عزت بچانا -
 کمر توڑنا : مایوس کرنا -

گھات میں ہونا : موقع تاکنا - دشمن کو مارنے کے لیے
 چھپ کر بیٹھنا -

لال : بیٹا - فرزند -
 نرمیان : ایک ایرانی پہلوان - رستم کا پردادا -
 نیند ٹوٹ گئی : آنکھ کھل گئی -
 منت : عاجزی - خوشامد - التجا -
 موسیقی : زہریلا - ہلاک کرنے والا - ایذا دینے والا -
 مُہرہ : ایک قسم کا پتھر -

یگم کی بلی

بحال : خوش و خرم - تروتازہ - تن درست -
 بہ خدا : خدا کی قسم -
 بھلی مانس : نیک - شریف - عزت والی -
 پسینا : ترس کھانا - رحم کرنا -
 چھکنی : پاپ کا ٹکڑا جس سے آگ پھونکتے ہیں -
 ہوا پھونکنے کا آلہ -
 تخمینہ : اندازہ -

ٹکا سا جواب : صاف جواب - کورا جواب -
 ٹھکانے لگانا : مار ڈالنا - کام تمام کر دینا -
 خام خیالی : وہم -
 دل بیٹھنا : دل میں خوشی اور اُمتنگ نہ رہنا - افسردہ ہونا -
 ہمت ٹوٹنا -

دم مارنا : بات کرنا - جواب دینا - منہ سے اُف نکالنا -
 دخل دینا -
 راحت : آرام - ٹھیک - سکھ -

رختِ سفر باندھنا : سفر کا سامان باندھنا یا تیار کرنا -
 سبز قدم : منحوس -
 سر پھرنا : شامت آنا - کم بختی آنا - عقل نہ رہنا -
 شغل : تماشہ - دل لگی - کھیل کود -
 عدم کا راستہ : موت کا راستہ -

قضا: حلال کرنے والا۔

قضا: موت۔

کام تمام کرنا: خاتمہ کرنا۔ ہلاک کرنا۔ جان لینا۔ مار ڈالنا۔
کوڑی: پیسا۔ پائی۔ (بہت معمولی رقم)
کھکھارنا: کھانسی کی سی آواز نکال کر کسی کو متوجہ کرنا۔
کھانسی کے ذریعے اشارہ کرنا۔

مبالغہ کرنا: اصل کے خلاف کہنا۔ بڑھا کر بیان کرنا۔
مجال: حوصلہ۔ طاقت۔

مسکین: بے چاری۔ عاجز۔ غریب۔

مُسما: مؤنث کی علامت۔

مشیت ایزدی: اللہ کا حکم۔ اللہ کی مرضی۔

مضطرب: پریشان۔ بے چین۔ بے آرام۔ بے قرار۔ بے کل
ناقص فہم: ادھوری عقل۔

نامعقول: ناسمجھ۔

نذر کرنا: پیش کرنا۔

ہرچہ بادا باد: جو ہو سو ہو۔

ہوکیں اٹھنا: درد ہونا۔ صدمہ ہونا۔

تھر کی ناویہ کمانچی

اپانچ: جو شخص چل پھر نہ سکے۔

اُٹھ آنا: ہجوم کرنا۔

ایندھن: جلانے کی لکڑی یا کونکے وغیرہ۔

بہ راہ راست: بلا واسطہ۔ بغیر کسی ذریعے کے۔

براہمان ہیں: تشریف رکھتے ہیں۔

آہو: ہرن۔

بعد ازاں: اُس کے بعد۔

بے آب و گیاہ: وہ جگہ جہاں نہ پانی ہو نہ سبزہ۔

پھریرا: جھنڈے کا کپڑا۔

تعین: تقرّر۔

چٹیل: وہ میدان جہاں کوئی سایہ دار درخت نہ ہو۔

حسب وعدہ: وعدے کے مطابق۔

حصار: چار دیواری۔ احاطہ۔

ٹھنک: سرد۔ ٹھنڈی۔

سالار: سردار۔ کپتان۔

عجوبہ: عجیب شے۔ انوکھی چیز۔

کانیاں: چالاک۔ ہوش یار۔ دھوکے باز۔

کوہ نورزد: پہاڑوں میں گھومنے پھرنے والے۔

قلا خچیں بھرنا: چھلانگیں مارنا۔ چوکڑیاں بھرنا۔

ماس: گوشت۔

مترجم: ترجمہ کرنے والا۔

ہزیمت: شکست۔ ہار۔ پس پائی۔

ملکہ بلقیس کا محل

آب دار: چمک دار۔

آگہی: آگاہی۔ خبر۔

باقیات: بچی ہوئی چیزیں۔ یادگاریں۔ آثارِ قدیمہ۔

بانکے: خوش نما۔ حسین۔

بلقیس: حضرت سلیمان کے زمانے میں ملک سبا کی ملکہ۔

پوشاک: لباس۔

جواہرات: جوہر کی جمع الجمع۔ قیمتی پتھر۔

دُخترِ نرا جیل: نرا جیل کی بیٹی۔

ذربفت: ایک کپڑا جو سونے اور ریشم کے تاروں سے

بنتے ہیں۔

زمرّد: ہرے رنگ کا ایک قیمتی پتھر۔

سبا: حضرت سلیمان کے زمانے میں عرب کا ایک ملک۔

قصر: محل۔ حویلی۔

لعل: ایک قیمتی پتھر۔

لوبان: ایک درخت سے حاصل ہونے والا گوند جو

آگ پر رکھنے سے خوش بو دیتا ہے۔

محو خواب تھی: سوئی ہوئی تھی۔

مجبوریوں

مہار: اونٹ کی نکیل۔ وہ رسی جو نکیل میں بندھی ہوتی ہے۔
متنفر: بے زار۔ نفرت کرنے والا۔
حجامت کرانا: سر کے بال کٹوانا۔ ترشوا کر بال درست کرانا۔
دفعۃً: اچانک۔ فوراً۔
پیشکش: رٹائرڈ ملازمین کو ملنے والی ماہانہ رقم۔
جناب من: میرے لیے قابل احترام۔

ایک انار صد بیمار

سر پھٹول ہونا: لڑائی میں ایک دوسرے کے سر پھاڑ دینا۔
مرہم پٹی کرنا: زخم پر دوا لگا کر پٹی باندھنا۔ علاج کرنا۔
ہفت صد: سات سو۔
اسم مکبر: نام، جس میں چھوٹے سے بڑا پن پایا جائے۔
جیسے: لاشعری سے لٹھ۔
اتائی: طب کا علم حاصل کیے بغیر علاج کرنے والا۔
اناڑ: جسے نہ علم ہو نہ تجربہ۔
ہزار رنگ: کئی قسم کے۔
ایلو پیتھی: علاج بالصدق کا طریقہ۔ مغربی طرز کا علاج جس میں
مرض کے مزاج کے متضاد دوا دی جاتی ہے۔
ہومیو پیتھی: علاج بالمثل کا طریقہ۔
وید: حکیم، قدیم ہندوستانی طریقے سے علاج کرنے والا
معالج۔
منجم: نجومی، ستاروں کا علم جاننے والا۔
جہار: علم جہر (غیب سے واقف ہونے کا علم) کا ماہر۔
ریل پیل: کثرت۔ بہتات۔
فارماکوپیا: دواؤں کی تیاری اور استعمال سے متعلق کتاب۔
جوشاندہ: جوش دی ہوئی دوا جو نزلے میں دی جاتی ہے۔
خیساندہ: وہ دوا جو بھگو کر پی جائے۔
سنیاسی بابا: فقیر جو عجیب سی چیزوں سے علاج کرتا ہے۔
فخر الاطیاء: طبیبوں میں قابل فخر، بہت قابل طبیب۔

مرضع: جس میں قیمتی پتھر جڑے ہوئے ہوں۔

مزین: سجا سجا۔ سجایا ہوا۔ سنوارا ہوا۔ زینت دیا ہوا۔
نشان دہی: پتا بتانا۔ ٹھکانا بتانا
ہند: ایک پرندہ جس کے سر پر تاج یا چوٹی ہوتی ہے۔
یا قوت: ایک قسم کا قیمتی پتھر۔

خواہ مخواہ کی لڑائی

وجدان آتشیں: اندرونی آکسائٹ۔ لڑنے کی خواہش۔
لپاڑی: تھپڑ اور گھونٹے ہاتھ پائی۔
دھینگا مشتی: ہاتھ پائی۔
سفید پوش: وضع دار۔
آپے سے باہر ہونا: قابو سے باہر ہونا۔ سنبھالے نہ سنبھالنا۔
آستین چڑھانا: لڑنے کے لیے تیار ہونا۔ لڑائی کے لیے
کھڑے ہو جانا۔
ملع: دکھاوا۔ بناوٹ۔ وضع داری۔
مارکین: دراز قسم کا امریکہ کا بنا ہو کپڑا۔
چکارنا: دلاسا دینا۔ پیار کرنا۔
غم کھانا: برداشت کرنا۔ غصہ ضبط کرنا، درگزر کرنا۔
ریاض کرنا: مشق۔ ایک ہی عمل کو بار بار دہرانا تاکہ
مہارت حاصل ہو۔
الکلف الخدمت: خدمت کی تکلیف اٹھانے والا۔
خدمت کرنے والا۔

آمد: بے ارادہ کچھ ہو جانا۔
آورد: ارادے کے تحت کچھ کرنا۔
چھپڑ پھاڑ کر دینا: کثرت سے دینا۔ بے محنت عطا کرنا۔
داعی: دعوت دینے والا۔
ترکی بہ ترکی: برابر کا۔ جیسا سوال ویسا جواب۔
مبدۂ فیض: جہاں سے فیض ملتا ہو۔ فیض پہنچانے والا۔
گڑے مردے اکھیرنا: ماضی کے جھگڑے تازہ کرنا۔
ختم ہو جانے والے تنازعے پھر سے اٹھانا۔

بیاض: وہ کتاب جس میں کام کی باتیں لکھ لیتے ہیں۔ ڈائری۔
صحتِ تام: مکمل صحت۔

گرہ میں باندھ لینا: یادداشت میں محفوظ کر لینا۔
حکمی علاج: قطعی علاج۔ ایسا علاج جس سے شفا لازمی ہو۔

خطِ غالب

مکتوبات: مکتوب کی جمع۔ خطوط۔ مکاتیب۔

دماغ چل جانا: سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جانا۔
عقل نہ رہنا۔

مُجتہدُ العصر: اپنے زمانے کا مُجتہد۔

مسوّدہ: لکھی ہوئی کتاب کی پہلی شکل کہ جس کی درستی
ابھی باقی ہو۔

شہایِ روش: بادشاہ کے دور کے انداز۔

برخوردار: چھوٹا۔ سعادت مند۔

ابر بے باراں: بادل جو برسات نہ کرے۔
میوہ: پھل۔

خانہ بے چراغ: خالی مکان۔ جو آباد نہ ہو۔

چراغ بے نور: بجھا ہوا چراغ۔

امر: کام۔ معاملہ۔

زوائد: زائد (زیادہ، فضول) کی جمع۔

چاہ بے آب: اندھا کنواں۔ وہ کنواں جو سوکھ چکا ہو۔

خوش نودی: خوشی۔ رضامندی۔

نگارش: تحریر۔

پھاوڑا بجنا: مکان گرنا۔ ڈھینکا

دمدمہ: مورچہ، مٹی بھری یوریوں سے بنائی ہوئی دیوار۔

نیزنا: تمام ہونا۔ پورا ہونا۔

خطِ اقبال

آلام و افکار: فکریں اور پریشانیاں۔

موجب: وجہ۔

اسکول: سوچ، اندازِ فکر۔

بودا: کم زور

سُست: ڈھیلا

ضعیف چہتر: بوسیدہ کپڑے کا ٹکڑا۔

اصولِ حقہ: حقیقی اصول۔

مرورِ ایام و اعصار: زمانے کی تبدیلی۔ وقت کا بدلنا۔

اعصار: عصر (زمانہ، دور، وقت) کی جمع۔

خطِ مشفق خواجہ

مکرمی: میرے بزرگ۔ میرے لیے قابلِ احترام۔

ناسازیِ طبع: طبیعت کی خرابی۔

نواح: ارد گرد کا علاقہ۔

آئینِ دوستی: دوستی کے اصول۔ دوستی کے طور طریقے۔

مخطوطات: ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں۔

حمد

وجدان: جاننے کی قوت۔

نکھت: خوش بو۔ مہک۔

آیاتِ الہی: صاف معنی والی (اللہ کی) آیات۔

دانش: عقل مندی۔

خلاق: غیر معمولی قدرت والا۔

گلبانگ: آواز۔ صدا۔

ہزار: بلبل۔

معراج: عروج پانے کا وقت۔

نعت

عمرِ رواں: گزرتی ہوئی زندگی۔

منصب: عہدہ۔

نورالہدی: ہدایت کا نور، تاریکیوں کا چراغ۔

بدرالدجی: چودھویں کا چاند۔

نفسِ الضعی: خوش نما سورج، مراد سورج کی طرح چمک دار

جلوہ گاہوں: نظارہ دکھانے کی جگہوں۔

پُر کیف: سُروور والی۔

خاکِ شفا: مُراد مدینہ منورہ کی مٹی۔

رہے نام اللہ کا

مقدور : طاقت، قوت۔

زردار : دولت مند، امیر۔

بے زر : غریب، بغیر دولت والا۔

گردش ایام : مصیبت و ابتلا کا زمانہ۔

چرخ : آسمان۔

ازرق : نیلا۔

عیار : چالاک، مکار۔

حیلہ : چال، بہانہ۔

در و بام : دورازہ اور چھت۔

بادِ خزاں : وہ گرم ہوا جس کے چلنے سے پت جھڑکا موسم

آجاتا ہے۔

داستان تیاری میں باغ کی

زربفت : ایک کپڑا جو سونے اور ریشم کے تاروں سے

بنتے ہیں۔

شہ : بادشاہ۔ شاہ۔

زرنگار : وہ چیز جس پر سونے کا یا سنہرا کام ہو۔

مشام : دماغ۔

مدام : مسلسل، متواتر۔

مُغرق : چمکیلی۔

لحلمہ : ایک خوش بو دار مرکب۔

مقیش : چاندی اور سونے کا تار۔

سرو سہی : سرو کا سیدھا پیڑ۔

نگہ : نگاہ

دست بستہ : ہاتھ باندھے ہوئے۔

زہ : کنارہ۔

یارب! چمنِ نظم کو گل زارِ ارم کر

گل زار : گلستان، چمن

ارم : جنت

مبدأ : اصل، آغاز

اقلیم : ملک، ولایت

برومند : پھل لانے والا، باعمراد

نیکو : نیک

نظم ثریا : سات سیلیوں کا جھمکا

گل تر : تازہ پھول

سماوات : سماء کی جمع۔ آسمان۔

سمک : فنجلی۔

غواص : غوطہ خور۔

لالی : لال کی جمع۔ قیمتی پتھر۔

چپ کی داد

زینت : رونق۔

حلاوت : مٹھاس، شربتی۔

عفت : پاک دامنی۔

مونس : معاون، مددگار۔

عُشرت : مفلسی، تنگ دستی۔

مردِ مسلمان

لحظہ : ساعت، پل۔

بُریہان : روشن اور واضح دلیل۔

نشین : آرام کی جگہ۔

میزان : ترازو۔

آہنگ : انداز، طور طریقہ۔

قہاری : غضب ناک۔

غفاری : بخشنا۔

قدوسی : برکت، پاکیزگی۔

جبروت : قدرت، عظمت۔

نوائے سروش

سفینہ : کشتی۔

گھاٹ : وہ مقام جہاں سے کشتی پر سوار ہوں یا اتریں۔

برق رو : برق رفتار۔ تیز رو۔ بجلی کی رفتار سے چلنے والا۔

تیز گام : تیز رفتار، جلد جلد قدم اٹھانے والا۔

روش روش : جاہ جاہ ہر طرف۔

شاخ تراشی : پودوں کی کاٹ چھانٹ کرنا۔

رباعیات

نافہم : کم عقل۔

عرفان حیات : خود شناسی۔
حب وطن : وطن کی محبت۔
یک رنگ : مخلص۔

قطعات

نہاں : چھپا ہوا۔
تدریج : آہستہ اور درجہ بہ درجہ۔
برکھا : برسات۔
گھنگھور : نہایت سیاہ۔ خوف ناک۔ گہرا بادل۔

سائڈ فیکٹس

تجیر : گرمی کی شدت، حرارت، بخار۔
نسان : بھولنے کی عادت۔
ثقلِ سماعت : سننے کا بوجھ۔ کم سنائی دینا۔
دیدہ : آنکھ۔

چاند میری زمیں

دہقان : کسان۔
کوہ کن : پہاڑ کھودنے والا۔
خیبر شکن : خیبر کو توڑنے والا۔
ملاح : مچھیرے۔

استغاثہ

چاہ : کنواں۔
عفو : معاف کرنا۔
مہر و وفا : محبت و عنایات۔ مروت۔
رفاقتیں : وفاداریاں، خیر خواہیاں۔

مشورہ

سرکش : باغی، منہ زور۔

غزلیات - خواجہ میر درد

مقدور : طاقت ہونا۔ ہمت ہونا۔
وصفوں : وصف کی جمع۔ خوبیاں۔
مسندِ عزت : عزت والا مقام۔
لوح و قلم : تقدیر۔

کیا تاب : کیا مجال۔ ممکن نہ ہونا۔
تعقل : عقل میں آنا۔ سمجھ میں آنا۔
شیخ و برہمن : مسلمان اور کافر۔
مانندِ حباب : بلبے کی طرح۔
عرصہ کھینچنا : زندگی گزارنا۔
دوئی : دو ہونا۔ شرک۔
قاصد : پیغام لے جانے والا۔
نہنہار : ہر گز۔
پھولنا : غرور کرنا۔
اپنے تئیں : خود کو۔

غزلیات - میر تقی میر

تلفٹہ : نہ کہی ہوئی۔ آن کہی۔
صوت : آواز۔
جرس : قافلے کا گھٹنا جو اونٹ کے گلے میں باندھتے ہیں۔
کارواں : قافلہ۔
اصل مدعا : مقصد حیات۔
فراق : دوست کی جدائی۔
مستعار : اُدھار لیا ہوا۔
منعم : نعمتوں سے نوازا گیا۔ مال دار۔
قائم : نیولے کی طرح کے ایک جانور کی کھال کا لباس۔
سجاب : چوہے کی طرح کے ایک جانور کی کھال کا لباس۔
رند : مست یا فقیر۔
غور : بے لباس۔
کاسہ سر : کھوپڑی کا ڈھانچا۔
استخوان : ڈھانچا۔
چور : ٹوٹا پھوٹا۔
کبھو کبھو : کبھی کسی (قدیم اردو)۔
ریشک : فخر۔

غزلیات - خواجہ حیدر علی آتش

خلقِ خدا : لوگ
غائبانہ : غیر موجودی میں

تباہ : وفاداری کرنا۔

غزل - حسرت موہانی

بے دلی: لا تعلقی۔ مایوس۔
انتہائے یاس: مایوسی کی انتہا۔
آستان: ٹھکانہ۔

غزل - منیر نیازی

ضرر: آندھی۔ تیز ہوا۔
زرقشانی: چمک دمک چہرے کی شکفتگی۔

غزل - احمد فراز

مراسم: تعلقات۔
تکلف: بناوٹ۔ ظاہر داری۔
اخلاص: نیک نیتی۔ خلوص۔
نادم: شرمندہ۔ پشیمان۔
دام: جال۔ پھندا۔

غزل - قابل اجمیری

عشرت: خوشی۔ عیش۔
زیست: زندگی۔
زندال: قید۔

پیام لطیف (وائی)

لو لگانا: آسرا رکھنا۔ دل جمانا۔
خستہ حالی: بد حالی۔ خراب حالت۔

زر بہ کف: (صنعتِ حسنِ تعلیل ہے) اپنے ہاتھ میں سونا لیے ہوئے۔

قارون: ایک نہایت ہی امیر شخص جس کے خزانے کے چالیں گھر تھے۔
اسپ عمر: زندگی کا گھوڑا (مراد زندگی)۔
مہینز: سوار کی ایڑھی میں لگی ہوئی لوہے کی کیل یا نوک دار آلہ۔

تازیانہ: کوڑا۔ چابک۔
ظبل و غلم: مراد ہے فوجی سامان۔ اسلحہ۔
ظبل: ڈھول۔ نقارہ۔
غلم: جھنڈا۔ پرچم۔
نہال: خوش۔
باغ بان: مالی۔
بارگراں: بھاری بوجھ۔ مراد ڈٹے داری۔
نقش: پنجرہ۔
صیاد: شکاری۔
زیست: زندگی۔

غزلیات - مرزا اسد اللہ خاں غالب

مدعا: معاملہ۔
سبزہ و گل: تمام ہری چیزیں۔ مراد بہار کے دن۔
سنگ و وخت: پتھر۔ لہٹ۔
دل فروز: دل کو روشن کرنے والا۔
مہر نیم روز: آدھے دن کا سورج۔ مراد انتہائی چمکتا سورج۔
بند غم: غم کی قید۔
خستہ: شکستہ / ہارا ہوا۔
قید حیات: زندگی کی پابندی۔
غالبِ خستہ: بوڑھا غالب۔ کم زور غالب۔

غزل - داغ دہلوی

کسر: کمی۔
غنیمت: قابلِ قدر۔
بسا: بہت۔